توحید اور شرک

قرآن و حدیث کی روشنی میں

انجینئر حافظ محمد آصف قادری

افکارِ اسلامی
اسلام آباد، کراچی

توحید اور شرک قرآن و حدیث کی روشنی میں

انجینئر حافظ محمد آصف قادری

افکارِ اسلامی

فرمانِ رسول ﷺ

غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا

وَ اِنِّی وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ
اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ
عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا

"اللہ کی قسم! بیشک مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرنے لگ جاؤ گے"۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید)



توحید اور شرک

قرآن وحدیث کی روشنی میں

﴿ازافادات﴾

مفکرِ اسلام پیرطریقت رہبر شریعت حضرت

علامہ سید شاہ تراب الحق قادری جیلانی

دامت برکاتہم القدسیہ

﴿مصنف﴾

انجینئر حافظ محمد آصف قادری

﴿ناشر﴾

افکارِ اسلامی

اسلام آباد......کراچی

کتاب .... توحید اور شرک، قرآن وحدیث کی روشنی میں

ازافادات .... پیرطریقت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری جیلانی دامت فیوضہم وبرکاتہم العالیہ

مصنف .... انجینئر حافظ محمد آصف قادری

پروف ریڈنگ .... انجینئر حافظ محمد عارف قادری

باہتمام .... صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ نوری

معاونین .... محمد عاطف عظیم قادری، محمد عمران جاوید قادری

تاریخ اشاعت .... جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ / اپریل ۲۰۱۳ء

ناشر .... افکارِ اسلامی (اسلام آباد، کراچی)

ہدیہ ....

﴿ملنے کے پتے﴾

☆............مدرسہ انوارُ القرآن، مسجد کنزالایمان، آئی ٹن ون، اسلام آباد

☆............مدرسہ انوارُ القرآن، میمن مسجد، مصلح الدین گارڈن، کراچی

☆............جامعہ قادریہ رضویہ، مصطفیٰ آباد، سرگودھا روڈ، فیصل آباد

☆............زاویہ پبلشرز، مرکز الاویس، دربار مارکیٹ، لاہور

☆............حنفیہ پاک پبلی کیشنز، نزد بسم اللہ مسجد، کھارادر، کراچی

☆............احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ، راولپنڈی

﴿مصنف کی تمام کتب سے حاصل ہونے والی آمدنی تبلیغِ دین کے لیے وقف ہے﴾

﴿انتساب﴾

”وَالِدَیۡنِ کَرِیۡمَیۡن کے نام“

یہ نور نور چہرے، جن کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے،

﴿اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیۡکَ﴾ ”شکر ادا کرو میرا اور اپنے والدین کا“۔ (لقمٰن:۱۴)

﴿بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا﴾ ”ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو“۔ (البقرہ:۸۳)

﴿اللہ تعالیٰ نے ادائے شکر میں اپنے ساتھ والدین کو شریک کر کے سچی توحید سکھائی﴾

اور رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا، ”وہ دونوں تمہاری جنت ہیں“۔

”والد جنت کا دروازہ ہے“۔ ”والدہ کے پاؤں کے پاس جنت ہے“۔

”سب سے زیادہ حق ماں کا ہے“۔ ”ماں باپ راضی تو رب تعالیٰ راضی“۔

ماں باپ......سرتاپا محبت وشفقت، دل کا سُرور، آنکھوں کا نور۔

آقا ومولیٰ ﷺ کا فرمان ہے، والدین کی دعا اولاد کے حق میں ضرور قبول ہوتی ہے۔

میں شکر گذار ہوں اپنے رب کا اور اپنے والدین کا، جنہوں نے علم کا راستہ دکھایا،

میرے دل میں اللہ اور اسکے حبیب ﷺ کی محبت کی شمع فروزاں کی،

مجھے حفظِ قرآن کی سعادت بخشی، مرشدِ کامل کا پتہ بتایا،

اور قرآن کریم کے پُرنور راستے کی طرف راہبری کی،

میں ذرۂ ناچیز تھا، آج جو کچھ ہوں اُن کی دعاؤں کے طفیل ہوں۔

﴿رَبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا﴾ (بنی اسرائیل:۲۴)

”اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے

میرے بچپن میں میری پرورش کی“۔

دَر دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ ﷺ است — آبروئے ما زِ نامِ مصطفیٰ ﷺ است

فہرست

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ

تقریظِ عظیم

مفکرِ اسلام، پیرِ طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری جیلانی
دامت برکاتہم القدسیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم. نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم.

اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں، نہ احکام میں، نہ اسماء میں۔ وہ واجب الوجود ہے یعنی اس کا وجود ضروری ہے اور عدم محال۔ وہ قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے، اَزَلی کے بھی یہی معنی ہیں، وہ باقی ہے یعنی ہمیشہ رہے گا اور اسی کو اَبَدی بھی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ بے پرواہ ہے، کسی کا محتاج نہیں اور تمام جہان اُس کا محتاج۔ اُس کی ذات کا احاطہ عقل کے ذریعے ممکن نہیں۔ البتہ اُس کے افعال کے ذریعے سے اجمالاً اُس کی صفات، پھر اُن صفات کے ذریعے سے معرفتِ ذات حاصل ہوتی ہے۔

وہ ہر کمال وخوبی کا جامع ہے اور ہر عیب ونقصان سے پاک ہے۔ وہی ہر شے کا خالق ومالک ہے اور وہی سب کا رازق ہے۔ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے، کسی کو اُس پر قابو نہیں اور نہ کوئی اُس کے ارادے سے اُسے باز رکھنے والا ہے۔

اُس کا علم ہر شے کو محیط ہے یعنی جزئیات، کلیات، موجودات، معدومات، ممکنات، مُحالات، سب کو ازل میں جانتا تھا اور اب جانتا ہے اور اَبد تک جانے گا۔ اشیاء بدلتی ہیں اور اُس کا علم نہیں بدلتا، دلوں کے خطروں اور وسوسوں پر اُس کو خبر ہے اور اُس کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔ (بہارِ شریعت حصہ اول، ملخصاً)

جس طرح عقیدۂ توحید کا جاننا ضروری ہے اسی طرح نبوت ورسالت سے متعلقہ عقائد کا علم بھی ضروری ہے۔ نبی اُس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے

وحی بھیجی ہو۔نبوت کَسبی نہیں کہ آدمی عبادت وریاضت کے ذریعہ سے حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الٰہی ہے کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے، ہاں دیتا اُسی کو ہے جسے اس منصبِ عظیم کے قابل بناتا ہے۔(ایضاً)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو غیب کا علم عطا کیا، زمین وآسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیشِ نظر ہے۔ یہ علمِ غیب ان کو اللہ تعالیٰ نے دیا لہٰذا ان کا علم عطائی ہوا۔اور علمِ عطائی اللہ عزّ وجل کے لیے محال ہے کہ اُس کی کوئی صفت، کوئی کمال کسی کا دیا ہوا نہیں ہوسکتا بلکہ اس کی ہر صفت ذاتی ہے۔ جو لوگ انبیاء بلکہ سیدُ الانبیاء ﷺ سے مطلق علمِ غیب کی نفی کرتے ہیں، وہ قرآنِ عظیم کی اس آیت کے مصداق ہیں،

﴿اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتٰبِ وَتَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ﴾ (البقرۃ:۸۵)

یعنی ’’قرآنِ عظیم کی بعض باتیں مانتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں‘‘۔

کہ نفی والی آیات دیکھتے ہیں اور اُن آیتوں سے جن میں انبیاء علیہم السلام کو علومِ غیب عطا کیا جانا بیان کیا گیا ہے، انکار کرتے ہیں حالانکہ نفی واثبات دونوں حق ہیں کہ نفی علمِ ذاتی کی ہے کہ یہ خاصۂ اُلوہیت ہے، اور اثبات علمِ عطائی کا ہے کہ یہ انبیاء ہی کی شایانِ شان ہے اور اُلوہیت کے منافی ہے۔

یہ کہنا کہ ہر ذرہ کا علم نبی کے لیے مانا جائے تو خالق ومخلوق کی مساوات لازم آئے گی، باطل محض ہے۔مساوات تو جب لازم آئے کہ اللہ عزّ وجل کے لیے بھی اتنا ہی علم ثابت کیا جائے، اور یہ نہ کہے گا مگر کافر۔ ذراتِ عالم متناہی ہیں اور اُس کا علم غیر متناہی ورنہ جہل لازم آئے گا اور یہ محال، کہ خدا جہل سے پاک ہے۔

نیز ذاتی وعطائی کا فرق بیان کرنے پر بھی مساوات کا الزام دینا صراحۃً ایمان واسلام کے خلاف ہے کہ اس فرق کے ہوتے ہوئے مساوات ہو جایا کرے تو لازم کہ ممکن وواجب، وجود میں مساوی ہو جائیں، کہ ممکن بھی موجود ہے اور واجب بھی موجود

اور وجود میں مساوی کہنا صریح کفر اور کُھلا شرک ہے۔(ایضاً)

اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

اللہ عزّ وجل نے روزِ ازل سے روزِ آخر تک جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے، ایک ایک ذرہ کا تفصیلی علم اپنے حبیبِ اکرم ﷺ کو عطا فرمایا، ہزار تاریکیوں میں جو ذرہ یا ریت کا دانہ پڑا ہے حضور کا علم اُس کو محیط ہے۔اور فقط علم ہی نہیں بلکہ تمام دنیا بھر اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو ایسا دیکھ رہے ہیں جیسا اپنی اس ہتھیلی کو۔آسمانوں اور زمینوں میں کوئی ذرہ ان کی نگاہ سے مخفی نہیں بلکہ یہ جو کچھ مذکور ہے ان کے علم کے سمندروں میں سے ایک چھوٹی سی نہر ہے۔

آپ اپنی تمام امت کو اس سے زیادہ پہچانتے ہیں جیسا آدمی اپنے پاس بیٹھنے والوں کو، اور فقط پہچانتے ہی نہیں بلکہ ان کے ایک ایک عمل اور ایک ایک حرکت کو دیکھ رہے ہیں، دلوں میں جو خطرہ گزرتا ہے اس سے بھی آگاہ ہیں، اور پھر ان کے علم کے وہ تمام سمندر اور جمیع علومِ اولین وآخرین مل کر بھی علمِ الٰہی سے وہ نسبت نہیں رکھتے جو ایک ذرا سے قطرہ کو کروڑ سمندروں سے ہے۔(فتاویٰ رضویہ ج۱۵اص۷۴)

خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ ایمان کے ہر دور میں یہی عقائد رہے ہیں۔دورِ صحابہ میں خارجی فتنہ نمودار ہوا جس نے مشرکوں کے متعلق نازل ہونے والی آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کیا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی بنا پر خارجیوں کو بدترین مخلوق سمجھتے تھے۔(بخاری باب قتل الخوارج)

حدیث شریف میں ہے کہ ایک دن رحمتِ عالم ﷺ نے یمن اور شام کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔لوگوں نے نجد کے لیے بھی دعا کی درخواست کی۔مگر حضور ﷺ نے پھر یمن اور شام کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔تین بار عرض کرنے کے باوجود نبی کریم ﷺ نے نجد کے لیے دعا نہیں فرمائی، بلکہ یہ فرمایا،

﴿هُنَاکَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلَعُ قَرْنُ الشَّيْطَانُ﴾

وہاں سے زلزلے اور فتنے ظاہر ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

(صحیح بخاری کتاب الفتن)

اس حدیثِ صحیح کے مطابق وہاں سے شیخ ابن عبدالوہاب نجدی کا فتنہ ظاہر ہوا جس نے مسلمانوں کو کافر ومشرک قرار دیا۔ شیخ نجدی کے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب اپنی مشہور کتاب الصواعق الالٰہیہ صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں،

"اولیاء کا وسیلہ، اُن کی قبروں سے توسل اور استمداد، اور اولیاء اللہ کا پکارنا یہ تمام کام دنیا میں سب سے زیادہ یمن اور حرمین شریفین میں کیے جاتے ہیں"۔

مزید لکھتے ہیں، اگر حضور ﷺ کو علم ہوتا کہ یمن اور حرمین شریفین میں کفر وشرک ہوگا اور نجد میں ایمان، تو حضور ﷺ یمن کی بجائے نجد کے لیے دعا فرماتے۔

مولوی حسین احمد دیوبندی نے بھی شیخ نجدی کے متعلق لکھا ہے، "یہ خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ رکھتا تھا اس لیے اس نے اہلسنت وجماعت سے قتل وقتال کیا...... وہ ایک ظالم وباغی، خونخوار اور فاسق شخص تھا۔ اسی وجہ سے اہلِ عرب کو خصوصاً اس سے اور اُس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے، اور اس قدر ہے کہ اتنا قومِ یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے، نہ مجوس سے، نہ ہنود سے"۔ (الشہاب الثاقب: ۴۲)

"توحید وشرک، قرآن وحدیث کی روشنی میں" مصنفہ انجینئر حافظ محمد آصف قادری زید مجدہٗ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اپنی علالت کی وجہ سے فقیر اسے بالاستیعاب تو نہ پڑھ سکا البتہ بعض مقامات سے دیکھا تو خوب پایا۔ مصنف نے دلائل وبراہین کے ساتھ مذہبِ اہلسنت کو عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے۔ رب کریم اس کتاب کو نافع ومقبول بنائے اور مصنف کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ النبی الکریم ﷺ

سید شاہ تراب الحق قادری

تقریظِ جلیل

استاذ العلماء رئیس المناطقہ حضرت علامہ مفتی محمد سلیمان رضوی مدظلہ العالی

شیخ الحدیث دارالعلوم انوارِ رضا، راولپنڈی

بسم الله والحمد لله وكفىٰ وسلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ. امابعد:

حضرت العلام انجینئر محمد آصف قادری زید مجدہٗ کی نئی تصنیف "توحید وشرک، قرآن وحدیث کی روشنی میں" نظر سے گزری۔ مصنف اس سے قبل اسلامی آداب، فضائلِ قرآن وحفظِ قرآن، ایمان اور حیا اور دیگر کئی کتب لکھ چکے ہیں۔ زیرِ نظر تصنیف علماء اہلسنت پر عائد ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری نبھانے کی عمدہ کاوش ہے۔

اگرچہ توحید کے عنوان پر کم لوگوں نے قلم اٹھایا ہے مگر مصنف نے اہلسنت کا نظریہ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کرنے کی حسین کوشش کی ہے اور وہ بہت اچھے پیرائے میں اس سے عہدہ برا ہوئے ہیں۔

عراق وشام ہو یا ہند وپاک، ایران ہو یا افغانستان، دنیا کے ہر کونے میں صوفیاء نے توحید کے عنوان کو جو جِلاء بخشی، وہ ہمیشہ یادگار رہے گی۔ داتا گنج بخش علی ہجویری، سیدنا غوثُ الاعظم جیلانی، ہندالولی خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، مجدد الف ثانی، شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ بہاءالدین نقشبند، بہاءالدین زکریا ملتانی، امام احمد رضا فاضلِ بریلوی، پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، ان حضرات نے دنیا کے کونے کونے میں توحید کا درس دیا اور لاکھوں غیر مسلموں کو بارگاہِ لم یزل میں سجدہ ریز ہونے کا ذوق بخشا۔ اور بہت سوں نے تو آنے والے مسلمانوں کے لیے شیوخ کی کمی کتابوں سے پوری کی۔ کشف المحجوب اور عوارف المعارف انہیں میں سے ہیں۔

توحید کے عنوان کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ سورۃ الاخلاص کو ثلث قرآن قرار دیا گیا۔ یوں سمجھا جائے کہ شرح عقائد نے صفاتِ باری کو ۱۳ میں سموکر

تلخیص کر کے ۶، ۷ میں محدود کرنے کے بعد دو صفات کو جمیع صفات کا مرکز ومنبع قرار دیا اور وہ ہیں، علم وقدرت۔ یوں ہی مفسرین نے مضامینِ قرآن کو ۶ حصوں میں تقسیم کر کے ایجاز در تقسیم کے بعد تین میں محدود کیا، توحیدِ باری، منصبِ رسالت اور احکام۔ چونکہ سورۂ اخلاص ایک تہائی ہے ان تین کی لہٰذا اسے ثلث قرآن کے برابر قرار دیا پھر یہ کہ یہ عنوان ''توحید'' ان تینوں میں سب سے عظیم، نمایاں اور تمام عقائد کا موقوف علیہ ہے۔

مرورِ زمانہ اور ظہورِ فتن نے جہاں باقی علم نما جہالت کو عام کیا ''الہدیٰ'' کے نام پر تفسیر بالرائے کا فتنہ پھیلا اور اس امر نے بھی جنم لیا کہ توحید کی آڑ میں اہانتِ رسول ﷺ ہونے لگی، الامان والحفیظ۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں انکارِ صفات کے عناوین مہیا کیے گئے جبکہ توحید ورسالت لازم وملزوم فی العقائد ہیں۔ اس وقت صحیح موحدین نے توحید کے عنوان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بتلایا کہ اظہارِ ربوبیت کا موقوف علیہ رسالت ہے خصوصاً رسالتِ مصطفیٰ کریم ﷺ۔

حضرت علامہ نے حالاتِ زمانہ کی روشنی میں جن مسائل کا ذکر کرنا لازم تھا، کہیں دلالتِ مطابقی سے کیا، کہیں دلالتِ تضمنی سے اور کہیں دلالتِ التزامی سے تائیدات مہیا کیں۔ اور وہ تمام عنوانات ومسائل وعقائد ونظریات جو بیانِ توحید کے ساتھ لازم بین کا درجہ رکھتے تھے، انہیں بھی اجمالاً ذکر کیا۔ ان تمام امور میں علامہ کافی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ گویا یہ کتاب ہر گھر کی ضرورت ہے اور ہر ادارے کی، اور مدارس کے نصاب میں شامل ہو سکے تو زہے قسمت۔

رب کریم مصنف کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور ان کے مرشد حضرت شاہ صاحب قبلہ کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

محمد سلیمان رضوی غفرلہٗ

پیش لفظ

انجینئر حافظ قاری محمد عارف قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اسے تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ انبیاء کرام کے بعد سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرآن کریم سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ جس طرح اس کے ظاہر کو چھونے کا وہی اہل ہے جس کا ظاہر پاک ہو اسی طرح اس کے معانی کی حقیقت کو وہی سمجھ سکتا ہے جو باطنی نجاست یعنی بدعقیدگی سے پاک ہو۔ قرآن مجید سے ہدایت اسے نصیب ہوتی ہے جس کا دل صاحبِ قرآن ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے نور سے منور ہو۔ بصورتِ دیگر قرآن مجید کی تمام تر برکتوں کے باوجود اس سے فیضانِ ہدایت حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن مجید کو سمجھنا، اس کے مزاج اور مفہوم کو سمجھنا اور پھر اس سے ہدایت حاصل کرنا، یہ سب رب کریم کی توفیق اور عطا کے بغیر ممکن نہیں۔ قرآن مجید کا محض ترجمہ سیکھ لینا قرآن فہمی نہیں۔ اگر یہ ایک سطحی کتاب ہوتی تو خالقِ کائنات کی طرف سے بار بار یہ دعوتِ فکر کیوں دی جاتی:

﴿اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ﴾ ''تو کیا تم غور نہیں کرتے''۔ (الانعام: ۵۰، کنزالایمان)

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ تو کیا قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے۔ (النساء: ۸۲)

﴿لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

''تا کہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقلمند نصیحت مانیں''۔ (صٓ: ۲۹)

اگر قرآن فہمی محض سطحی چیز ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف سورہ بقرہ پڑھنے میں بارہ سال نہ گزارتے۔ (تفسیر قرطبی)

موجودہ دور میں فکری انتشار اور گروہ بندی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے حقیقی

مفہوم کو نہیں سمجھا گیا۔ کچھ لوگوں نے اپنی خواہش سے قرآن مجید سے غلط استدلال کیے اور معنوی تحریف کے مرتکب ہوئے۔ انہوں نے آیات کا ترجمہ تو صحیح کیا لیکن ان آیات سے جو مفہوم لیا وہ ان کا خود ساختہ تھا۔ آیات کا مفہوم بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے روئے سخن کو تبدیل کر دیا جائے۔ اگر لفظ وہی ہوں مگر روئے سخن بدل دیا جائے تو سارا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید کی جو آیات بتوں کے بارے میں نازل ہوئیں وہ کفار کے لیے تھیں لیکن خارجیوں نے ان کا رخ بدل کر بتوں کی بجائے اولیاء کی طرف کر دیا جس کی وجہ سے امت میں فساد پیدا ہو گیا۔ ایک عام مسلمان پریشان ہو کر رہ گیا ہے کہ قرآن کی آیت ہے، ترجمہ بھی صحیح ہے مگر جو کچھ اس کی آڑ میں سمجھایا جا رہا ہے وہ کیسے درست ہو سکتا ہے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کا نشان بنایا ہے اور جن کے لیے ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ فرمایا ہے، قرآن ان کی مذمت کیوں کر بیان کر سکتا ہے؟ یہ کتنی بڑی زیادتی ہے کہ جن کے راستے کو اللہ اپنا راستہ فرمائے، انہیں اللہ کا غیر اور مخالف ثابت کیا جا رہا ہے۔ آیات کے مفہوم کو بگاڑ کر اللہ کے کلام میں تضاد ڈالنے کی ناپاک جسارت کی جا رہی ہے اور سادہ لوح مسلمانوں کو توحید اور اصلاح کے نام پر گمراہی کے جال میں پھانسا جا رہا ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ ایک جماعت قرآن (کے مفاہیم) میں جھگڑا کرتی ہے تو آپ نے فرمایا، ''سابقہ امتیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے کتابُ اللہ کے بعض حصہ کو بعض سے ٹکرایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی جس کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا تم اس کے بعض حصہ کی بعض سے تکذیب نہ کرو''۔ (مشکوٰۃ)

مفہومِ قرآن پر حملہ کرنے والوں کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

دور میں ایک فرقہ خوارج کے روپ میں ظاہر ہوا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کا انکار کر دیا اور ثبوت کے طور پر یہ آیت پیش کی، ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ حکم صرف اللہ کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ﴿كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدُ بِهَا بَاطِلٌ﴾ یہ کلمہ یعنی آیت تو سچی ہے مگر مفہوم باطل ہے۔ (مسلم کتاب الزکوٰۃ)

چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کے لیے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حَکَم یعنی ثالث مقرر کیا۔ اس لیے خارجیوں نے کہا کہ انہوں نے غیر اللہ کو حَکَم مان کر قرآن مجید کی مخالفت کی ہے لہٰذا ہم ان کو مومن تسلیم نہیں کرتے۔ اس طرح انہوں نے قرآن کی آیت سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کی نفی ثابت کرنے کی کوشش کی۔

مفہومِ قرآن پر واردات کرنے والے آج بھی خارجیوں کے طریقے پر ہیں۔ جیسے خارجیوں نے کسی ایک آیت سے اپنی مرضی کا مفہوم نکالا اور یہ نہ سمجھا کہ رب تعالیٰ نے حالتِ احرام میں شکار کرنے پر سزا کے تعین کے لیے دو ثالث مقرر کرنے کا حکم دیا ہے۔ ﴿يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (المائدۃ:۹۵)

اسی طرح میاں بیوی میں جھگڑے کی صورت میں دو حَکَم مقرر کرنے کا اللہ ہی نے حکم دیا ہے۔ ﴿فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ (النساء:۳۵)

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی حکم اللہ ہی کا ہے البتہ جسے وہ چاہے وہ بھی اس کی نیابت میں حَکَم بن سکتا ہے، یہ ہے قرآن فہمی۔ محض ایک آیت پڑھ کے، اس کا ترجمہ سنا کے دین کی سمجھ نہیں آتی۔ سورۃ البقرۃ میں یہودیوں کا یہ عیب بیان ہوا کہ وہ کتاب کا بعض حصہ مانتے اور بعض کا انکار کر دیتے۔

ایک آیت پڑھ کر خارجی توحید کے علمبردار بن گئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مشرک قرار دے دیا۔ آیت سچی ہے مگر خارجیوں کا مفہوم غلط ہے۔ اسی طرح آیتِ مبارکہ ﴿فَقُلْ

حَسْبِیَ اللّٰہُ﴾ بھی سچی ہے مگر اس سے سرکارِ دوعالم ﷺ کی ذات کی نفی کرنا جھوٹ ہے اور اولیاء کی محبت کی نفی کرنا بھی جھوٹ ہے۔

آج فتنہ وفساد کا دور دورہ ہے۔ آیات پڑھ کر صاحبِ قرآن ﷺ پر اعتراضات کیے جارہے ہیں۔ آیات پڑھ کر اولیاء اللہ پر اعتراضات کیے جارہے ہیں۔ اگر کوئی ہدایت کا طالب ہے تو اُسے چاہیے کہ سارا قرآن پڑھے۔ آیات کے شانِ نزول کو دیکھے، اس کے انداز اور مخاطب کو بھی دیکھے پھر مفہوم کو سمجھے۔ اگر قرآن کا صحیح فہم چاہیے تو یہود اور خوارج والا طریقہ چھوڑنا ہوگا۔

اللہ کا کلام تضاد سے پاک ہے۔ قرآن مجید جہاں اللہ تعالیٰ کا عزتوں کا مالک ہونا بیان کررہا ہے (النساء:۱۳۹، یونس:۶۵، فاطر:۱۰) وہاں اللہ والوں کی عزتوں کو بھی بیان کررہا ہے۔ (المنافقون:۸)

قرآن جہاں مشرکوں کے لیے ولی اور مددگار ہونے کی نفی کررہا ہے (التوبۃ:۱۱۶) وہاں مومنوں کے لیے ولی اور مددگار مانگنے کا ذکر بھی فرمارہا ہے۔ (النساء:۷۵)

قرآن مجید میں کفار کے لیے شفیع ہونے کی نفی کی گئی ہے (الانعام:۵۱) تو مومن کے لیے نفی نہیں ہے۔ (مریم:۸۷، طٰہٰ:۱۰۹)

اس کم علمی، بے عملی اور دین سے دوری کے عروج کے دور میں برادرِ مکرم انجینئر محمد آصف قادری صاحب نے جس دردمندی کے ساتھ سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کو خارجیوں کے مکروکید سے بچانے کے لیے اس موضوع پر قلم اٹھایا، وہ لائقِ ستائش ہے۔ جس عرق ریزی کے ساتھ انہوں نے مفہومِ قرآن کی روشنی سے قاری کے دل و دماغ کو منور کرنے کی کوشش کی ہے، باری تعالیٰ ان کی اس کاوش کو درجۂ قبولیت عطا فرمائے اور قارئین کے قلوب واذہان کو نورِ ایمان سے منور فرمائے، آمین۔

محمد عارف قادری

ابتدائیہ

الحمد لک یا رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیک یا رحمۃ اللعالمین

اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا ''وحدت'' ہے اور نبی کریم ﷺ کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا ''توحید'' ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ﴾

''اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسی کرنی چاہیے تھی جب بولے، اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اُتارا''۔ (الانعام:۹۱)

معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے مگر رسول معظم ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تھے اور وحی کے نزول کے منکر تھے وہ گویا اللہ تعالیٰ ہی کے منکر ہوگئے۔ دراصل نبی کی معرفت پالینے سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

اُلوہیت کی دو اہم صفات، علم اور قدرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو ان صفات کا مظہر بنا کر معجزات کا اختیار عطا فرماتا ہے۔ امام غزالی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ فرماتے ہیں، ''نبی کی ایک صفت ہے کہ وہ خلافِ عادت کام کرسکتا ہے جیسے عام لوگوں کی صفت ہے کہ وہ اختیاری حرکات کرسکتے ہیں''۔ (احیاء العلوم، فتح الباری)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے اُن میں علم و قدرت کے ''فوقُ الاسباب'' کمالات دیکھ کر انہیں خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ ہمارے آقا و مولیٰ، امام الانبیاء ﷺ کا مرتبہ و مقام تو بہت بلند ہے۔ لہٰذا آپکے علم کی وسعت، آپ کی قدرت وتصرف اور کمالات دیکھ کر کوئی آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہہ دے، اس لیے رب تعالیٰ نے آپ سے ذاتی علم کی بھی نفی کرائی اور ذاتی قدرت واختیار کی بھی نفی کرائی۔ یہ آیات ملاحظہ فرمائیں،

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾

''تم فرمادو! میں تم سے نہیں کہتا، میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں

کہ میں خود سے غیب جان لیتا ہوں‘‘۔(الانعام:۵۰)

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ﴾ (الاعراف:۱۸۸)

’’تم فرماؤ! میں اپنی جان کے بھلے بُرے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے‘‘۔

عقیدۂ توحید کے بیان کے لیے مذکورہ دو آیات کو بنیاد بنا کر رسولِ معظم ﷺ کی عظمت کا انکار کسی مومن کا کام نہیں ہوسکتا۔ حضور ﷺ کے علمِ غیب اور آپ کی قدرت و تصرف پر اس کتاب میں مدلل مضامین موجود ہیں۔ بعض واقعات پیشِ خدمت ہیں جن سے مجھے یہ احساس ہوا کہ ہمارے بیشمار مسلمان بھائی توحید و شرک کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتے اور توحید کے نام پر وہ عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے انکار کی طرف گامزن ہیں بلکہ کئی تو آیات و احادیث ہی کے انکار کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

☆ احقر نے ایک درس میں نبی کریم ﷺ کے لیے رؤف و رحیم کے الفاظ بیان کیے تو ایک صاحب نے کہا، رؤف و رحیم تو اللہ ہے، نبی کو ایسا کہنا شرک ہے۔ میں نے عرض کی، یہ دونوں صفات اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۲۸ میں حضور ﷺ کے لیے بیان فرمائی ہیں۔ وہ صاحب غصہ میں بولے،’’یہ ناممکن ہے، میں نہیں مانتا‘‘۔

☆ ایک محفل میں احقر نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے مولا علی کا لفظ کہہ دیا۔ وہاں ایک صاحب چراغ پا ہوگئے اور کہنے لگے، مولانا! شرک کی معافی نہیں ہے، اللہ کے سوا کوئی مولا نہیں ہوسکتا۔ میں نے سورۃ التحریم کی آیت ۴ کا حوالہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام اور صالحین کے لیے مولا کی صفت بیان کی ہے۔ حضور ﷺ نے بعض قبائل کے نام لیکر فرمایا، اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مَوْلَاھُمْ۔ اللہ اور رسول ان کا مددگار ہے۔ (بخاری و مسلم) حدیث میں یہ بھی ہے، مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ مگر وہ صاحب نہ مانے۔ میں نے عرض کی، آپ مجھے بار بار ’’مولانا‘‘ کہہ رہے ہیں جبکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ سورۃ بقرۃ میں ہے، اَنْتَ مَوْلٰنَا۔ اس پر وہ ناراض ہوکر چلے گئے۔

☆ ایک جگہ ایک صاحب لوگوں کو ’’شرک‘‘ بتا رہے تھے کہ ’’یہ لوگ حضور ﷺ کو حاضر و ناظر کہتے ہیں یعنی ان کو ہر جگہ موجود مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر محفلِ میلاد میں حضور خود آتے ہیں‘‘۔ میں نے ان سے پوچھا، یہ بات آپ نے ان کی کسی کتاب میں پڑھی ہے یا ان کے کسی مستند عالم سے خود سنی ہے؟ وہ بولے، نہیں۔

میں نے عرض کی، جس کا عقیدہ ہے اسی سے وضاحت پوچھی جائے نہ کہ دوسرے سے۔ ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ حضور ﷺ ہر جگہ موجود ہیں اور نہ یہ کہ آپ ہر محفلِ میلاد میں تشریف لاتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور اپنے روضۂ اقدس میں زندہ ہیں اور تمام کائنات کو ملاحظہ فرما رہے ہیں جیسے کوئی اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہے۔ گویا کائنات بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں حاضر ہے اور حضور اس کے ناظر۔ قرآن مجید میں آپ کی دو صفات بیان ہوئی ہیں، شاہد اور شہید۔ ان دو صفات کا مفہوم ’’حاضر و ناظر‘‘ ہے۔

☆ ایک محفل میں وسیلہ پر بحث ہو رہی تھی۔ ایک صاحب بولے، وسیلہ شرک ہے۔ میں نے کہا، وسیلہ کسی کا قرب چاہنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ ہم اللہ کے قرب کے لیے انبیاء، اولیاء اور اعمال کو وسیلہ بناتے ہیں۔ قرآن میں ہے، ﴿وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ﴾ ’’اور اُس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو‘‘۔ اللہ تعالیٰ وسیلہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ کون ہے، جس کے قرب کے لیے اللہ کو وسیلہ بنایا جائے؟ یقیناً کوئی نہیں۔

☆ ایک جگہ گیارھویں شریف پر گفتگو چھڑ گئی۔ ایک صاحب نے فوراً اسے شرک کہہ دیا۔ میں نے عرض کی، اس میں کیا چیز شرک ہے۔ وہ بولے، یہ غیر خدا کے نام کی ہوتی ہے۔ اور قرآن میں ہے، ﴿وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ﴾ ہر وہ چیز حرام ہے جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ میں نے عرض کی، اگر یہ ترجمہ کیا جائے تو پھر کوئی چیز حلال نہ رہے گی۔ یہ مکان کس کا ہے؟ آپ کہیں گے، فلاں کا۔ غیر خدا کا نام لیا اور مکان حرام۔ یہ گاڑی کس کی ہے؟ یہ بچے کس کے ہیں؟ یہ کپڑا کس کا ہے؟ یہ مسجد کون سی

ہے؟عموماً مساجد کے نام انبیاء، صحابہ اوراولیاء کے ناموں پر ہوتے ہیں۔

وہ بولے، پھر صحیح ترجمہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی، ''وہ جانور حرام جو غیر خدا کا نام لیکر ذبح کیا گیا''۔تمام تفاسیر میں ہے کہ مشرک ذبح کے وقت بتوں کے نام لیتے تھے، اسے حرام فرما دیا گیا۔(ابن جریر، قرطبی، کبیر، مدارک، ابن کثیر، جلالین)

گیارھویں شریف اور برسی وغیرہ تلاوت وعبادات پر مبنی ہوتی ہے اور عبادات کا ثواب سیدنا غوثِ اعظم یا کسی مرحوم کی روح کو پہنچایا جاتا ہے، یہ جائز ہے۔

احادیث میں ہے، حضور ﷺ نے قربانی کا جانور ذبح کرکے فرمایا، اے اللہ! اسے میری طرف سے، میری آل اور امت کی طرف سے قبول فرما۔(مسلم)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے والدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے کنواں کھدوایا اور فرمایا، یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔(ابوداؤد) یعنی اس کا ثواب انہیں پہنچے۔

ثابت ہوا کہ کھانے پینے کی چیزوں پر غیر خدا کا نام لینے سے وہ حرام نہیں ہوتیں۔

☆ ایک جگہ ایک مولوی صاحب تقریر کررہے تھے۔ انہوں نے کئی احادیث کا غلط مفہوم بیان کرکے یہ نتیجہ واضح کیا کہ ''صحابہ حضور ﷺ سے نہیں مانگتے تھے۔حضور ﷺ صرف دعا کیا کرتے تھے تو اللہ پاک عطا کیا کرتا تھا''۔

اگرچہ بعض مواقع پر حضور ﷺ کا دعا فرمانا مذکور ہے مگر کثیر مواقع پر حضور ﷺ عطائے الٰہی سے صحابہ کی حاجت روائی فرماتے تھے اور ان احادیث میں کہیں دعا کا ذکر نہیں ہے۔مثلاً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حافظہ دینا، انگلیوں سے پانی جاری کرنا، دَم فرما کر ٹوٹی ہڈی جوڑنا، لعابِ دہن لگا کر ہڈی جوڑنا، چاند کے دوٹکڑے کرنا، آپ کے حکم پر درختوں کا چلنا، جنت عطا فرمانا وغیرہ۔(بخاری، مسلم)

حق یہ ہے کہ مومن کو حضور ﷺ کی عظمت کو بیان کرنے میں بخل نہیں کرنا چاہیے۔ صحابہ بھی حضور ﷺ کی عظمت کو دل کھول کر بیان کرتے تھے۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ

جب صحابہ آقا ومولیٰ ﷺ کی انگلیوں سے نکلے ہوئے پانی سے سیراب ہوئے تو کسی نے پوچھا، آپ کتنے لوگ تھے؟ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ''اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوتا، مگر اُس وقت ہم ڈیڑھ ہزار تھے''۔

☆ ایک صاحب نے ایک رسالہ دکھایا جس میں کسی سنگدل نے صحابیٔ رسول، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مشرک لکھا تھا (معاذ اللہ) اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو دفن کے بعد اپنی قبر پر ٹھہرنے کی وصیت کرکے گویا غیر اللہ سے مدد مانگی تھی۔

صحیح مسلم کتاب الایمان میں ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا، ''جب مجھے دفن کر چکو تو میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ تمہارے قرب سے مجھے اُنس ملے اور میں دیکھوں کہ میں اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں''۔

ثابت ہوا کہ مُردہ قبر کے پاس موجود لوگوں سے مانوس اور خوش ہوتا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسی لیے یہ وصیت فرمائی تھی۔ دفن کے بعد وہاں ٹھہرنا اور میت کو تلقین کرنا مستحب ہے۔ نیز اللہ کے بندوں سے مجازی استعانت جائز اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں اس عنوان پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

توحید کے نام پر رسولِ معظم ﷺ کی عظمت کو دلوں سے نکالنے کی سازش نئی بات نہیں۔ ابنِ اُبی سے لیکر انگریز دور تک منافقین اور دشمنانِ دین یہی کوششیں کرتے رہے مگر رب تعالیٰ نے انہیں ناکام بنا دیا، اور مومنوں کو یوں خبردار کیا،

﴿اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ م وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ ط وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ﴾

''جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تم اُس کے رسول ہو، اور

اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں''۔(المنافقون:۱)

معلوم ہوا کہ منافقوں کا کلمہ پڑھنا اور رسالت کی گواہی دینا بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں۔ یہود و نصاریٰ نے ہر دور میں منافقوں کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کی شان کو متنازعہ بنانا چاہا۔ اقبال نے عظمتِ رسول ﷺ کے خلاف اسی سازش کا ذکر کیا تھا،

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا — روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات — اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

برادرانِ اسلام! یقین رکھیے کہ حضور ﷺ کی محبت، اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور کا قرب، اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ جس کی اطاعت کو رب نے اپنی اطاعت اور جس کی رضا کو اپنی رضا قرار دیا، جس کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا اور جس کا ذکر قرآن میں بار بار اپنے ذکر کے ساتھ فرمایا، اُس کا ذکر، اس کی محبت، اس کی عطا، اس کی تعظیم، اس کی عظمت ماننا یہ سب شرک نہیں، خالص توحید اور روحِ ایمان ہے۔

توحیدِ خدا اور رسالتِ مصطفیٰ ﷺ باہم لازم و ملزوم ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو تمام دنیا کے مسلمانوں کے درمیان اتفاق و اتحاد کی محکم اساس، اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظم ﷺ کی محبت ہی ہے۔ یہی اللہ کی وہ رسی ہے جسے تھامنے کا قرآن کریم میں حکم ہے۔

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

''اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور تفرقہ میں نہ پڑو''۔(الِ عمران:۱۰۳)

مذکورہ چند واقعات نے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اہلِ علم کو اس صورتحال میں توحید و رسالت کا صحیح مفہوم عوام تک پہنچانے کی بھرپور سعی کرنی چاہیے۔ گذشتہ سال، میں نے کالج اور یونیورسٹی کے طلباء کو ''توحید و شرک'' پر متعدد لیکچرز دیے۔

عزیزم عمر افضل نے مجھے یہ دروس لکھنے کی ترغیب دی بعد ازاں کئی احباب نے اس پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، رحمتِ عالم ﷺ کی رحمت اور مرشدِ کامل علامہ

سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی کے فیضِ نگاہ سے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔

میں ممنون ہوں برادرِ مکرم حافظ محمد عارف قادری زِیدمجدہٗ کا جنہوں نے کتاب کی پروف ریڈنگ کی اور قیمتی مشورے دیے۔ مولانا حافظ قاری محمد خان صاحب کا بھی مشکور ہوں کہ انہوں نے تفاسیر مہیا کیں اور تخریج میں میری معاونت فرمائی۔

عزیزم برادر محمد عاطف قادری کا ممنون ہوں کہ گھریلو اُمور انہوں نے اپنے ذمے لیے رکھے تا کہ میں دلجمعی سے کام کرسکوں۔ میں اپنے والدِ محترم مدظلہ العالی نیز اپنی اہلیہ اور بیٹیوں کے لیے بھی دعا گو ہوں جنہوں نے اس کام میں مجھے آسانی مہیا کی، کہ رب تعالیٰ ان سب کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں اور راحتیں عطا فرمائے۔ آمین

یہ کتاب لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمان توحید و رسالت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھ لیں اور محبتِ مصطفیٰ ﷺ کی شمع اپنے سینوں میں فروزاں کرلیں۔ کاش کہ ہم فرقہ واریت کو چھوڑ کر توحید و رسالت سے متعلق وہی عقائد اپنالیں جو قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور اُسوۂ صحابہ کی صورت میں مشعلِ راہ ہیں۔

قارئین سے گذارش ہے کہ تعصب اور فرقہ پرستی سے بالاتر ہو کر اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ جو آیات اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی نفی کے لیے پیش کی جاتی ہیں ان کا شانِ نزول اور اکابر علماء کی تفسیر ضرور ملاحظہ کریں تا کہ گمراہی سے محفوظ رہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ کے صدقے میں اس کتاب کو مومنین کے لیے استقامت اور منکرین کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ میری تقاریر و کتب اور میری اولاد کو میرے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ نیز مجھے، میرے والدین، اہل و عیال اور معاونین کو فلاحِ دارین عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

مغزِ قرآں، روحِ ایماں، جانِ دیں — ہست حُبِّ رحمۃ اللعالمیں ﷺ

محمد آصف قادری غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم

﴿......باب اول......﴾

عقیدۂ توحید:

شرک کو سمجھنے کے لیے توحید کا مفہوم جاننا ضروری ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ o اَللّٰهُ الصَّمَدُ o لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ o وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ o﴾

''تم فرماؤ! وہ اللہ ہے، وہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی''۔

(الاخلاص، کنزالایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾

''اور تمہارا معبود ایک معبود ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی بڑی رحمت والا مہربان''۔(البقرۃ:۱۶۳، کنزالایمان)

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ط لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط مَنْ ذَاالَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَاشَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ لَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَالْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾

''اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا ہے، اُسے نہ اونگھ آئے نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں، وہ کون ہے جو اُس کے ہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے، جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے، اور وہ نہیں پاتے اُس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے، اُس کی کرسی میں سمائے ہوئے ہیں آسمان اور زمین، اور اُسے بھاری نہیں

ان کی نگہبانی، اور وہی ہے بلند بڑائی والا''۔(البقرۃ:۲۵۵، کنزالایمان)

عقیدۂ توحید پر مزید چند آیات ملاحظہ فرمایئے۔

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (اٰلِ عمران:۲۶)

''یوں عرض کر، اے اللہ! مُلک کے مالک، تُو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے، اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے، بیشک تو سب کچھ کرسکتا ہے''۔(کنزالایمان)

﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾

''اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھولے، اُس کا کوئی روکنے والا نہیں، اور جو کچھ روک لے تو اس کی روک کے بعد اس کا کوئی چھوڑنے والا نہیں، اور وہی عزت وحکمت والا ہے۔اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں روزی دے؟ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم کہاں اوندھے (بھٹکتے) جاتے ہو''۔(فاطر:۲،۳، کنزالایمان)

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ o

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًام بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾

''یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اُسے پکارے، اور دور کر دیتا ہے برائی اور تمہیں زمین کا وارث کرتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ اور خدا ہے؟ بہت ہی کم دھیان کرتے ہو۔
یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی، اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے، خوش خبری سناتی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ برتر ہے اللہ اُن کے شرک سے''۔ (النمل: ۶۲، ۶۳، کنزالایمان)

﴿وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾

''اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اُس کے سوا، اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اُس کے فضل کا رَد کرنے والا کوئی نہیں۔ اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے، اور وہی بخشنے والا مہربان ہے''۔

(یونس: ۱۰۷، کنزالایمان)

﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۙ o الَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا﴾

''بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اُتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ہو۔ وہ جس کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت، اور اس نے نہ اختیار فرمایا بچہ، اور اس کی سلطنت میں کوئی ساجھی (شریک) نہیں، اس نے ہر چیز پیدا کر کے ٹھیک اندازہ پر رکھی''۔ (الفرقان: ۱، ۲، کنزالایمان)

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ o فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ o وَهُوَ

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ o وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ o﴾

''بیشک اللہ دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے۔ زندہ کو مردہ سے نکالنے والا اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا، یہ ہے اللہ، تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔ تاریکی چاک کر کے صبح نکالنے والا، اور اس نے رات کو چین بنایا اور سورج اور چاند کو حساب، یہ سدھایا ہوا ہے زبردست جاننے والے کا۔
اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تارے بنائے کہ ان سے راہ پاؤ خشکی اور تری کے اندھیروں میں، ہم نے نشانیاں مفصل بیان کر دیں علم والوں کے لیے۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا پھر کہیں (زمین پر) تمہیں ٹھہرنا ہے، اور کہیں امانت رہنا (قبر میں)، بیشک ہم نے مفصل آیتیں بیان کر دیں سمجھ والوں کے لیے''۔ (الانعام: ۹۵ تا ۹۸، کنزالایمان)

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا کَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ کُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ﴾

''اللہ نے کوئی بچہ اختیار نہ کیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا، یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا اور ضرور ایک دوسرے پر اپنی تعلّی (برتری) چاہتا، پاکی ہے اللہ کو اُن باتوں سے جو یہ بناتے ہیں''۔ (المؤمنون: ۹۱، کنزالایمان)

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ هَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِکُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾

''اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی، پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلائے گا، کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کرے،

پاکی اور برتری ہے اسے اُن کے شرک سے''۔(الروم:۴۰، کنزالایمان)

شرک کا مفہوم:

شرک کے لغوی معنی ہیں،''حصہ یا شراکت''۔جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا،

﴿اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ﴾

''کیا ان (بتوں) کا آسمانوں میں کوئی حصہ ہے؟''۔(سورۃ فاطر:۴۰)

شرک کے شرعی معنی ہیں، کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک یا ہمسر ماننا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجبُ الوجود یا معبود سمجھنا یا کسی مخلوق کی کوئی صفت مستقل بِالذات ماننا۔

واجبُ الوجود کا مطلب ہے، جس کا وجود ہر حال میں ضروری ہو، یعنی جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔

شرک کے متعلق علامہ سعدالدین مسعود تفتازانی رحمہ اللہ (م ۷۹۱ھ) لکھتے ہیں،

اَلْاِشْرَاكُ هُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِيْكِ فِي الْاُلُوْهِيَّةِ بِمَعْنَى وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ كَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ بِمَعْنَى اسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ كَمَا لِعَبَدَةِ الْاَصْنَامِ۔

(شرح عقائد نسفی:۱۶)

یعنی''شرک یہ ہے کہ کوئی اُلوہیت میں کسی کو شریک کرے جیسا کہ مجوسی اللہ تعالیٰ کے سوا واجبُ الوجود مانتے ہیں یا عبادت کا مستحق ہونے میں کسی کو شریک کرے جیسا کہ بت پرست کرتے ہیں''۔

خلاصہ یہ ہے کہ شرک کی تین قسمیں واضح ہوئیں۔

اول: شرک فی الذات...... اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اللہ تعالیٰ جیسا مانا جائے یا کسی کو واجبُ الوجود اعتقاد کیا جائے جیسا کہ مجوسی دو خدا مانتے ہیں۔

دوم: شرک فی العبادت......اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے جیسا کہ مشرکینِ مکہ بتوں کو پوجتے تھے۔

سوم: شرک فی الصفات......اللہ تعالیٰ کی صفات جیسی کوئی صفت بعینہٖ کسی اور میں مانی جائے۔ جیسا کہ مکہ کے مشرکوں کے خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کائنات کا نظام اکیلے نہیں چل سکتا تھا اس لیے اس نے بتوں کو اپنے جیسی قدرت دے دی، اب وہ اس کے کاموں میں شریک ہیں۔(معاذ اللہ)

مذکورہ تینوں اقسام کے شرک کی نفی میں باری تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ کیجیے،

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا﴾

''اور یوں کہو، سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے لیے بیٹا نہیں بنایا (جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا گمان ہے)، اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں (جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں)، اور کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا حمایتی نہیں (یعنی اسے کمزوری کی وجہ سے کسی مددگار کی ضرورت نہیں)، اور اس کی بڑائی و کبریائی خوب بیان کرو''۔

(بنی اسرائیل:۱۱۱)

اللہ تعالیٰ کی ذات کی کبریائی یہ ہے کہ اسے واجبُ الوجود، اَحَدْ، صَمَدْ اور معبود مانا جائے۔ جبکہ اُسکی صفات کی کبریائی یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس کی تمام صفات مستقل بالذات، قدیم اور لامحدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے، اُس کی ذات وصفات میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔

قرآن اور مشترک صفات:

عموماً کہا جاتا ہے کہ''اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت کسی مخلوق میں ماننا شرک ہے''، یہ بات درست نہیں۔ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر یہ تعریف درست ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات بندوں کی طرف کیوں منسوب فرمائی ہیں۔ قرآنِ عظیم شرک پھیلانے نہیں بلکہ شرک مٹانے آیا

ہے۔چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

قرآنِ عظیم کی رُو سے:-

اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے،انسان بھی سمیع وبصیر ہے......(بنی اسرائیل:۱،الدھر:۲)

اللہ تعالیٰ زندہ (حی) ہے،ہم بھی زندہ ہیں......(البقرۃ:۲۵۵،الانبیاء:۳۰)

اللہ تعالیٰ علیم ہے،انبیاء اور علماء بھی علم والے ہیں......(البقرۃ:۲۹،یوسف:۷۶)

اللہ تعالیٰ حفیظ وعلیم ہے،یوسف علیہ السلام بھی حفیظ وعلیم ہیں......(سبا:۲۱،یوسف:۵۵)

اللہ تعالیٰ بیٹا دیتا ہے،جبریل علیہ السلام بھی بیٹا دیتے ہیں......(الشوریٰ:۴۹،مریم:۱۹)

اللہ وفات دیتا ہے،عزرائیل علیہ السلام بھی وفات دیتے ہیں......(الزمر:۴۲،السجدۃ:۱۱)

اللہ تعالیٰ عذاب سے بچاتا ہے،فرشتے بھی عذاب سے بچاتے ہیں......(الرعد:۱۱)

اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے،ہم بھی ارادہ کرتے ہیں......(یٰسٓ:۸۲،الانفال:۶۷)

اللہ تعالیٰ مومن ہے،ہم بھی مومن ہیں......(الحشر:۲۳،البقرۃ:۳)

اللہ تعالیٰ ولی ہے،حضور ﷺ اور مومن بھی ولی ہیں......(المائدہ:۵۵)

اللہ تعالیٰ مولیٰ ہے،جبریل علیہ السلام اور صالحین بھی مولیٰ ہیں......(التحریم:۴)

اللہ تعالیٰ علی ہے،حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ''علی'' ہیں......(البقرۃ:۲۵۵)

اللہ تعالیٰ غنی ہے،حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ''غنی'' ہیں......(محمد:۳۸)

اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے،حضور ﷺ بھی مبشر ہیں......(التوبۃ:۲۱،البقرۃ:۱۱۹)

اللہ ہدایت دیتا ہے،حضور ﷺ بھی ہدایت دیتے ہیں......(البقرۃ:۱۴۲،الشوریٰ:۵۲)

اللہ تعالیٰ عظیم ہے،اس کا عرش،تختِ بلقیس،اور حضور ﷺ کے اخلاق بھی عظیم ہیں......
(البقرۃ:۲۵۵،النمل:۲۶،۲۳،القلم:۴)

اللہ تعالیٰ درود بھیجتا ہے،اس کے فرشتے اور ایمان والے بھی درود بھیجتے ہیں......
(الاحزاب:۵۶،الاحزاب:۵۶)

اللہ تعالیٰ کائنات کے نظام کی تدبیر کرتا ہے،فرشتے بھی نظامِ کائنات کی تدبیر کرتے ہیں......(السجدۃ:۴،النّٰزعٰت:۵)

اللہ تعالیٰ کے پاس ساری شفاعت ہے،اُس کے اِذن سے اس کے محبوب بندے بھی شفاعت کرتے ہیں......(الزمر:۴۴،البقرۃ:۲۵۵)

اللہ تعالیٰ ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے،حضور ﷺ بھی ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لاتے ہیں......(البقرۃ:۲۵۷،ابراہیم:۱)

اللہ تعالیٰ قوت والا (ذُو الْقُوَّۃ) ہے،جبریل علیہ السلام بھی قوت والے ہیں۔
(الذٰریات:۵۸،التکویر:۲۰)

راضی ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے،یہی مومنوں کی بھی صفت ہے......(البینۃ:۸)

اللہ تعالیٰ کی اپنی چاہت ہے،انسان کی اپنی چاہت ہے......(الدھر:۲۹،۳۰)

اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے،مسلمان بھی محبت کرتے ہیں......(المائدہ:۵۴)

اللہ تعالیٰ ندا فرماتا ہے،انسان بھی ندا کرتے ہیں......(مریم:۵۲،الحجرات:۴)

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے،انسان بھی مالک ہیں......(التوبۃ:۱۱۶،یٰسٓ:۷۱)

اللہ کی صفت 'عفو' ہے،یہ حضور ﷺ کی بھی صفت ہے......(المجادلۃ:۲،الاعراف:۱۹۹)

اللہ تعالیٰ کی صفت 'عمل' ہے،بندوں کی صفت بھی عمل ہے......(یٰسٓ:۷۱،الطّور:۱۶)

اللہ تعالیٰ ''شکور'' ہے،نوح علیہ السلام بھی ''شکور'' ہیں......(التغابن:۱۷،الاسراء:۳)

اللہ تعالیٰ کریم ہے،حضورِ اکرم ﷺ بھی کریم ہیں......(المؤمنون:۱۱۶،الحاقۃ:۴۰)

اللہ تعالیٰ نور ہے،رسولِ معظم ﷺ بھی نور ہیں......(النور:۳۵،المائدہ:۱۵)

اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے،حضور ﷺ بھی پاک کرتے ہیں......(النور:۲۱،البقرۃ:۱۵۱)

اللہ تعالیٰ نعمت دیتا ہے،حضور ﷺ بھی نعمت دیتے ہیں......(الاحزاب:۳۷)

اللہ تعالیٰ رؤف ورحیم ہے،حضور ﷺ بھی رؤف ورحیم ہیں......(التوبۃ:۱۱۷،۱۲۸)

اللہ تعالیٰ غنی کرتا ہے، سرکارِ دو عالم ﷺ بھی غنی کرتے ہیں...... (التوبۃ:۷۴)

اللہ تعالیٰ غیب کا عالم ہے، حضور ﷺ کو بھی غیب کا علم دیا گیا...... (الجن:۲۶،۲۷)

اللہ شہید (گواہ) ہے، حضور ﷺ بھی شہید اور شاھد (گواہ اور حاضر و ناظر) ہیں......
(الفتح:۲۸، البقرۃ:۱۴۳، الاحزاب:۴۵)

اللہ تعالیٰ مددگار ہے، اس کے رسول ﷺ، فرشتے اور صالحین بھی مددگار ہیں۔
(محمد:۱۱، المائدہ:۵۵، التحریم:۴)

ایسی متعدد مثالیں قرآن عظیم سے پیش کی جاسکتی ہیں۔ آیئے قرآن مجید کی روشنی میں توحید وشرک کا اصل فرق تلاش کریں۔

توحید وشرک کا فرق:

1۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا، ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

''بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) سنتا دیکھتا ہے''۔(بنی اسرائیل:۱)

یعنی وہ خود سے سمیع وبصیر ہے۔ جبکہ انسان کے متعلق وہ فرماتا ہے،

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًام بَصِيْرًا﴾

''بیشک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملے ہوئے نطفہ سے تاکہ اسے آزمائیں تو اسے سنتا دیکھتا کر دیا''۔(الدھر:۲)

غور کیا جائے تو فرق واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود سے سمیع وبصیر ہے جبکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے سمیع وبصیر بنایا ہے۔

2۔ اسی طرح وہ اپنی شان بیان فرماتا ہے، اَلْحَيُّ۔ ''زندہ''۔(البقرۃ:۲۵۵)

یعنی اللہ تعالیٰ خود سے زندہ ہے، اُسے زندگی دینے والا کوئی نہیں جبکہ ہر مخلوق کو اس نے زندگی عطا فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا،

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾

''اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو حیات عطا کی''۔(الانبیاء:۳۰)

یہ بھی ارشاد ہوا، ﴿يُحْيِيْكُمْ﴾ ''وہ تمہیں زندگی دیتا ہے''۔(الروم:۴۰)

3۔ یوں ہی اُس کی شان یہ ہے کہ، ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾

''اور وہی سب کچھ جانتا ہے''۔(الحدید:۲)

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا، ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾

''اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے''۔(یوسف:۷۶)

جبکہ ہر انسان کو وہی علم عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہوا،

﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ ''آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا''۔(العلق:۵)

پس اللہ تعالیٰ خود سے علم والا ہے جبکہ انسانوں کا علم اس کا عطا فرمایا ہوا ہے۔

4۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بالذات غیب کا عالم ہے، اس کے بتائے بغیر کوئی غیب نہیں جانتا۔ ارشاد ہوا،

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾

''تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے اللہ کے''۔(النمل:۶۵)

جبکہ رسولِ معظم ﷺ اور دیگر رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم عطا فرمایا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾

''اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے''۔(اٰلِ عمران:۱۷۹)

مزید فرمایا، ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًاo اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾

''غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے''۔(الجن:۲۶،۲۷)

5۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا، ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

''بیشک اللہ آدمیوں پر بہت مہربان رحم والا ہے''۔(البقرۃ:۱۴۳)

جبکہ نبی کریم ﷺ کی عظمت کے بیان میں یہ دونوں صفات حضور ﷺ کے لیے بیان ہوئیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہوا،

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

''بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان، مہربان''۔(التوبۃ:۱۲۸)

6۔ قرآن عظیم نے رب تعالیٰ کی یہ شان بتائی،

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ ''اور اللہ کافی ہے گواہ''۔(الفتح:۲۸)

جبکہ آقا کریم ﷺ کے لیے بھی یہ صفت بیان فرمائی،

﴿وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

''اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ''۔(البقرۃ:۱۴۳)

بلکہ رحمتِ عالم ﷺ کے لیے صفت شاہد بھی بیان فرمائی،

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا﴾

''بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر''۔(الاحزاب:۴۵، الفتح:۹)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بالذات رؤف و رحیم اور گواہ ہے جبکہ رحمتِ عالم ﷺ کو اُس نے رؤف و رحیم، گواہ اور حاضر و ناظر بنایا ہے۔

7۔ قرآن عظیم میں ارشاد ہوا، ﴿فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾

''تو عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے''۔(النساء:۱۳۹)

دوسری جگہ فرمایا گیا، ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے''۔(المنافقون:۸)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود سے عزت والا ہے اور اس نے اپنے رسول اور مومنوں کو بھی عزت والا بنایا ہے۔

8۔ ارشاد ہوا، ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ﴾

''(اللہ تعالیٰ) جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے''۔(الشوریٰ:۴۹)

قرآن مجید میں حضرت جبریل علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی موجود ہے،

﴿قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾

''بولا، میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں''۔(مریم:۱۹)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے حضرت جبریل علیہ السلام بھی بیٹا دیتے ہیں۔ چونکہ دینے والے کو ''وہاب'' کہتے ہیں اس لیے حضرت جبریل علیہ السلام مجازی معنوں میں ''وہاب'' ہیں جبکہ رب تعالیٰ حقیقی معنی میں ''وہاب'' ہے۔

9۔ ارشادِ قرآنی ہے، ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا﴾

''اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت''۔(الزمر:۴۲)

﴿قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ﴾

''تم فرماؤ! تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے''۔(السجدۃ:۱۱)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے حضرت عزرائیل علیہ السلام وفات دیتے ہیں۔

10۔ ﴿ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ ﴾

''اللہ نے اُسے نعمت دی اور تم نے اُسے نعمت دی''۔(الاحزاب:۳۷)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نعمت عطا فرماتا ہے اور اُس کی عطا سے رحمتِ عالم ﷺ بھی نعمت عطا فرماتے ہیں۔

11۔ اللہ تعالیٰ شفاعت کا مالک ومختار ہے۔ ارشاد ہوا،

﴿ قُلۡ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيۡعًا ﴾

''تم فرماؤ! شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے''۔(الزمر:۴۴)

اُس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کرسکتا۔

﴿ مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

''وہ کون ہے جو اُس کے یہاں سفارش کرے بغیر اُس کے حکم کے''۔

ثابت ہوا کہ اُس کے حکم سے انبیاء وصالحین ضرور سفارش کریں گے۔ حدیثِ شفاعت 34 صحابہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حضور ﷺ شفاعت فرمائیں گے۔(بخاری، مسلم)

12۔ قرآن مجید میں ہے کہ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ارشاد ہوا،

﴿اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ﴾

''بیشک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو، ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے''۔(القصص:۵۶)

دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿وَاِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ﴾

''اور بیشک تم ضرور سیدھی راہ کی ہدایت دیتے ہو''۔(الشوریٰ:۵۲)

ثابت ہوا کہ حضورِ انور ﷺ بھی سیدھی راہ کی ہدایت دیتے ہیں۔

13۔ اسی طرح پاک کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ارشاد ہوا،

﴿وَّلٰـكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ﴾

''ہاں اللہ ستھرا کردیتا ہے جسے چاہے''۔(النور:۲۱)

لوگوں کو پاک کرنے کی صفت رب تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ کو بھی عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا،

﴿وَيُزَكِّيۡكُمۡ﴾ ''اور رسول تمہیں پاک کرتا ہے''۔(البقرۃ:۱۵۱)

14۔ ہدایت دینا اور گمراہ کرنا رب تعالیٰ کی صفات ہیں۔ ارشاد ہوا،

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيۡرًا وَّيَهۡدِىۡ بِهٖ كَثِيۡرًا﴾ (البقرہ:۲۶)

''وہ بہت لوگوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے''۔

حضرت نوح علیہ السلام نے گمراہ کرنے کی نسبت بتوں کی طرف کی۔ فرمایا،

﴿وَقَدۡ اَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا﴾ (نوح:۲۴)

''اور بیشک انہوں نے بہت لوگوں کو بہکایا''۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے بھی بارگاہِ الٰہی میں یہی بات عرض کی،

﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ﴾

''اے رب! بیشک بتوں نے بہت لوگ بہکا دیئے''۔(ابراھیم:۳۶)

پس ماننا پڑے گا کہ جب مذکورہ صفت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی تو وہ حقیقی معنی میں ہوگی اور جب یہ نسبت بتوں کی طرف ہوگی تو مجازی معنی میں ہوگی۔

15۔ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت مکروکید بیان ہوئی، اور کفار کے لیے بھی یہی الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ یہ آیات ملاحظہ کیجیے۔

﴿وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ﴾

''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی، اور اللہ سب

سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے‘‘۔(اٰلِ عمران:۵۴، کنزالایمان)

﴿اِنَّھُمۡ یَکِیۡدُوۡنَ کَیۡدًاo وَّاَکِیۡدُ کَیۡدًا﴾ (الطارق:۱۵،۱۶)

’’بیشک کافر اپنا سا داؤ چلتے ہیں اور میں اپنی خفیہ تدبیر فرماتا ہوں‘‘۔(کنزالایمان)

واضح رہے کہ کفار کا مکر وکید عیب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا مکر وکید، خفیہ تدبیر ہے۔ لہٰذا جب کوئی صفت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگی تو وہ اللہ سبحانہٗ کی شان کے لائق ہوگی اور جب کوئی صفت مخلوق کی طرف منسوب ہوگی تو وہ مخلوق کے اعتبار سے ہوگی۔

16۔ اللہ تعالیٰ خبیر یعنی خبردار ہے۔ ارشاد ہوا،

﴿وَھُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ﴾ ’’اور وہی حکمت والا خبردار‘‘۔(الانعام:۷۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات کا ذکر ہے۔ یہ صفات رب تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو بھی عطا فرمائیں۔ سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۹ میں ارشاد ہوا،

﴿یُّؤۡتِی الۡحِکۡمَۃَ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ ’’اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے‘‘۔

دوسری جگہ فرمایا، ﴿وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَۃَ﴾

’’اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی‘‘۔(لقمان:۱۲)

17۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے عالم کو بھی ’’خبیر‘‘ فرمایا۔ ارشاد ہوا،

﴿اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡئَلۡ بِہٖ خَبِیۡرًا﴾

’’وہ بڑا مہربان ہے، تو کسی خبردار سے اس کی تعریف پوچھ‘‘۔(الفرقان:۵۹)

18۔ اللہ تعالیٰ کی دو صفات ’’الحق‘‘ اور ’’المبین‘‘ ہیں۔ ارشاد ہوا،

﴿اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الۡحَقُّ الۡمُبِیۡنُ﴾ ’’اللہ ہی روشن حق ہے‘‘۔(النور:۲۵)

قرآن مجید میں رسولِ معظم ﷺ کے لیے بھی یہ صفات بیان ہوئیں۔

﴿اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ﴾ ’’بیشک رسول سچا ہے‘‘۔(اٰلِ عمران:۸۶)

دوسری جگہ فرمایا، ﴿جَآءَھُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِیۡنٌ﴾

’’ان کے پاس آیا روشن بیان فرمانے والا رسول‘‘۔(الدخان:۱۳)

﴿اِنَّکَ عَلَی الۡحَقِّ الۡمُبِیۡنِ﴾ ’’بیشک تم روشن حق پر ہو‘‘۔(النمل:۷۹)

19۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفات علیم اور حلیم بیان ہوئیں۔ ارشاد ہوا،

﴿وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَلِیۡمًا﴾

’’اور اللہ علم والا اور حلم والا ہے‘‘۔(الاحزاب:۵۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو دو بار بیٹے کی خوشخبری یوں ارشاد فرمائی۔

﴿فَبَشَّرۡنٰہُ بِغُلٰمٍ حَلِیۡمٍ﴾

’’اور اسے ایک حلم والے لڑکے کی بشارت دی‘‘۔(الصافات:۱۰۱)

﴿وَبَشَّرُوۡہُ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ﴾

’’اور اسے ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی‘‘۔(الذٰریات:۲۸)

20۔ یوں ہی قرآن عظیم نے رب تعالیٰ کی یہ شان بتائی،

﴿اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُھُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ﴾

’’اللہ والی ہے مسلمانوں کا، انہیں اندھیریوں سے نور کی طرف نکالتا ہے‘‘۔

(البقرۃ:۲۵۷، کنزالایمان)

جبکہ رسول معظم نورِ مجسم ﷺ کے لیے بھی یہی صفت بیان فرمائی۔

﴿کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِ رَبِّھِمۡ﴾

’’ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری کہ تم لوگوں کو اندھیریوں سے اجالے میں لاؤ، اُن کے رب کے حکم سے‘‘۔(ابراھیم:۱)

یہاں بھی فرق واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ خود سے لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے جبکہ اس کے محبوب رسول ﷺ اس کی عطا سے یہ فریضہ سرانجام دیتے

ہیں۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ کسی کو پاک کر دینا یا کسی کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کی روشنی تک پہنچا دینا بہت بڑی مشکل کشائی اور حاجت روائی ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کو لوگوں کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کا منصب عطا فرمایا ہے۔ یہ عقیدہ شرک نہیں بلکہ قرآن کا نظریۂ توحید ہے۔

21۔ قرآن کریم میں ایک ہی آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے لیے غنی کرنے کی صفت بھی بیان ہوئی ہے۔ ارشاد ہوا،

﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾

''اور اُنہیں کیا برا لگا، یہی نا کہ اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا''۔

(التوبۃ: ۷۴، کنزالایمان)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کا ذکر ہے اور ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ میں ضمیر واحد مذکور ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسولِ کریم ﷺ کا غنی فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کا غنی فرمانا ہے اور اللہ و رسول ﷺ دونوں کا فضل ایک ہی ہے۔ نیز یہ عقیدہ شرک نہیں بلکہ عین توحید ہے۔

22۔ قرآن کریم کی ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب ﷺ دونوں کی ''رضا'' کو واحد کی ضمیر سے بیان کیا گیا۔ ارشاد ہوا،

﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾

''اور اللہ و رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے، اگر ایمان رکھتے تھے''۔

(التوبۃ: ۶۲، کنزالایمان)

ثابت ہوا کہ جو رسولِ کریم ﷺ کی رضا ہے وہی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ نیز نبی کریم ﷺ کی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھنا شرک نہیں بلکہ عین توحید ہے۔

23۔ ''اَلْمَلِكُ'' اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ ارشاد ہوا،

﴿اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ......﴾ ''بادشاہ، نہایت پاک......''۔ (الحشر: ۲۳)

قرآن مجید میں بادشاہ کے لیے بھی یہی لفظ بیان ہوا ہے۔

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ﴾ ''اور بادشاہ نے کہا''۔ (یوسف: ۴۳)

سعودی عرب میں بھی بادشاہ کو ''اَلْمَلِكُ'' کہتے ہیں۔ یہاں بھی وہی فرق ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقی بادشاہ ہے جبکہ دنیاوی حاکم مجازی بادشاہ ہیں۔

24۔ الجبار اور المتکبر اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ ارشاد ہوا،

﴿...... الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾ (الحشر: ۲۳)

قرآن کریم میں بندوں کی طرف بھی یہ صفات منسوب کی گئی ہیں۔

﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾

''اللہ یونہی مہر کر دیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر''۔ (المؤمن: ۳۵)

معلوم ہوا کہ بندوں کی یہ صفات مجازی طور پر ہیں۔

25۔ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ''عزیز'' یعنی غالب یا زبردست ہے۔ ارشاد ہوا،

﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾

''اور اللہ غالب حکمت والا ہے''۔ (البقرۃ: ۲۴۰)

اللہ تعالیٰ نے یہی صفت رسولِ معظم ﷺ کے لیے بھی بیان فرمائی۔

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ (التوبۃ: ۱۲۸)

اللہ تعالیٰ نے زلیخا کے شوہر کا نام بھی ''عزیز'' ذکر فرمایا ہے جو مصر کا وزیر اعظم تھا۔

﴿قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ﴾ ''عزیز کی بیوی بولی''۔ (یوسف: ۵۱)

معلوم ہوا کہ مجازی طور پر بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صفت کا ماننا ہرگز شرک نہیں۔ مخلوق کے لیے ایسی صفات مخلوق کے مرتبہ کے لحاظ سے ہوتی ہیں جبکہ رب تعالیٰ کے لیے یہ اُس کی عظمت و شان کے مطابق ہوتی ہیں۔

26۔اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''قوی'' ہے یعنی وہ قوت والا ہے۔ارشاد ہوا،

﴿اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ﴾

''بیشک اللہ قوت والا، غالب ہے''۔(الحدید:۲۵)

﴿اِنَّ خَیۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِیُّ الۡاَمِیۡنُ﴾

''بیشک بہتر نوکر وہ جو طاقتور، امانت دار ہو''۔(القصص:۲۶)

دربارِ سلیمانی میں جن نے کہا تھا، ﴿وَاِنِّیۡ عَلَیۡہِ لَقَوِیٌّ اَمِیۡنٌ﴾

''اور میں بیشک اس پر قوت والا امانت دار ہوں''۔(۳۹)

معلوم ہوا کہ بندوں کے لیے رب کی عطا کردہ قوت ماننا ہرگز شرک نہیں۔

27۔اللہ تعالیٰ کا مشہور صفاتی نام ''رب'' ہے جو سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت میں آیا ہے۔ رب کے معنی ہیں، پروردگار یا پرورش کرنے والا۔قرآن مجید میں یہ صفت والدین کے لیے بھی بیان ہوئی ہے۔ارشاد ہوا،

﴿رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا﴾(الاسراء:۲۴)

''اے رب! ان دونوں پر رحم کر جیسا ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا''۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیزِ مصر کے متعلق فرمایا، ﴿اِنَّہٗ رَبِّیۡ﴾

''بیشک وہ میرا رب یعنی پرورش کرنے والا ہے''۔(یوسف:۲۳)

اسی سورت میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہِ مصر کے لیے دو بار ''رب'' کا لفظ استعمال کیا۔آیات ۴۱ اور ۴۲ ملاحظہ کیجیے۔

﴿فَیَسۡقِیۡ رَبَّہٗ خَمۡرًا﴾''پس وہ اپنے رب (بادشاہ) کو شراب پلائے گا''۔

﴿اذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ﴾''اپنے رب (بادشاہ) کے پاس میرا ذکر کرنا''۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے صفت ''رب'' ذکر کرنے پر کوئی تنبیہ نہ فرمائی بلکہ اسی آیت میں خود بادشاہِ مصر کے لیے یہی صفت ذکر فرمائی۔

﴿فَاَنۡسٰہُ الشَّیۡطٰنُ ذِکۡرَ رَبِّہٖ﴾

''پس شیطان نے اُسے بھلا دیا اپنے رب کے پاس ذکر کرنا''۔(یوسف:۴۲)

شرک فی الصفات:

غور طلب بات یہ ہے کہ جب کسی بندے کو مجازاً ''رب'' کہہ دینا شرک نہیں ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات میں سے ایک اہم صفت ہے اور سورۃ الفاتحہ کی ابتدا ہی میں مذکور ہے تو پھر سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو داتا اور گنج بخش کہنا، سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو دستگیر اور غوثِ اعظم کہنا اور خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کو غریب نواز کہنا کیونکر شرک ہوسکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ میں کوئی صفاتی نام بھی داتا، گنج بخش، غوثِ اعظم، دستگیر یا غریب نواز نہیں ہے۔

یہ حکمِ قرآنی بھی ذہن نشین رہے، ﴿وَلِلّٰہِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی فَادۡعُوۡہُ بِہَا وَذَرُوا الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اَسۡمَآئِہٖ﴾(الاعراف:۱۸۰)

''اور اللہ ہی کے ہیں بہت اچھے نام، تو اسے ان سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حق سے نکلتے ہیں''۔(کنزالایمان)

مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات توقیفی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی طرف سے نام بنانا جائز نہیں۔اللہ تعالیٰ کے لیے اسی اسم کا اطلاق جائز ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے فرمایا ہو یا رسول معظم ﷺ نے اس اسم کا اطلاق کیا ہو یا اس اسم کے اطلاق پر اجماع ہو چکا ہو (مثلاً اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا)۔

بعض حضرات اللہ تعالیٰ کے لیے غوث اعظم اور حاضر و ناظر کی صفات بھی بیان کرتے ہیں حالانکہ یہ صفات حقیقی معنوں کے لحاظ سے رب تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں اور نہ ہی یہ اسمائے حسنیٰ میں موجود ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات کو کسی مخلوق کے لیے ثابت کرنا شرک

ہے جیسے سورۃ الاخلاص میں بعض خاص صفات بیان ہوئیں یا دیگر آیات میں جو خاص صفات مذکور ہوئیں مثلاً: **بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ** ،**خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ**، **اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ** ، **مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ** ،**اِلٰہ** یعنی معبود ہونا وغیرہ۔

بعض صفات قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے لیے بھی بیان ہوئی ہیں، ان صفات کے متعلق صحیح عقیدہ یہ ہے کہ جب ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی تو یہ ذاتی، ازلی، ابدی اور حقیقی معنی میں ہوں گی اور جب یہ مخلوق کی طرف منسوب ہوں گی تو عطائی، فانی، محدود اور مجازی معنی میں ہوں گی۔

مثلاً ہر مکتبۂ فکر کے لوگ اپنے عالم کو ''مولانا'' کہتے ہیں جس کا معنی ہے، ''ہمارا مددگار''۔ یہ کہنا کسی کے نزدیک بھی شرک نہیں اور نہ ہی کوئی یہ ﴿**اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ**﴾ کے منافی سمجھتا ہے جبکہ قرآن مجید میں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بیان ہوئی ہے۔

﴿**اَنۡتَ مَوۡلٰنَا**﴾ ''تو ہمارا مددگار ہے''۔(البقرۃ:۲۸۶)

﴿**ھُوَ مَوۡلٰنَا**﴾ ''وہ ہمارا مددگار ہے''۔(التوبۃ:۵۱)

اور ایک جگہ جبریل علیہ السلام اور صالحین کے لیے یہی صفت بیان ہوئی ہے۔

﴿**فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوۡلٰہُ وَجِبۡرِیۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ**﴾ (التحریم:۴)

''بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے''۔(کنزالایمان)

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے،

﴿**مَنۡ کُنۡتُ مَوۡلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوۡلَاہُ**﴾

''جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولیٰ ہے''۔(ترمذی ابواب المناقب)

یہ حدیث صحیح ہے اور اسے تیس صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔اس مثال سے ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث کی رُو سے اللہ تعالیٰ مددگار ہے، جبریل علیہ السلام مددگار ہیں، مولا علی رضی اللہ عنہ مددگار ہیں اور اولیاء کرام بھی مددگار ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت عطائی اور مجازی طور پر کسی مخلوق کے لیے ماننا شرک نہیں کیونکہ قرآن حکیم میں واضح طور پر یہ اصول موجود ہے،

﴿**اَللّٰہُ الصَّمَدُ**﴾

''اللہ بے نیاز ہے''۔(الاخلاص:۲)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے وجود میں اور اپنی صفات میں کسی کا محتاج نہیں۔اس کی تمام صفات ذاتی ہیں، قدیم ہیں، واجب ہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ کے لیے ہیں۔ جبکہ ہر مخلوق اپنے وجود اور اپنی صفات میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور اس کی ہر صفت اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور ممکن ہے یعنی عارضی اور فانی ہے۔

صفات میں شرک تو جب ہوگا کہ کوئی، مخلوق کی کسی صفت کو بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت قرار دے یعنی مخلوق کی کسی صفت کو ذاتی، قدیم اور لامحدود سمجھے۔

الحمدللہ! ہم اہلسنت وجماعت قرآن کریم کی ایسی بیشمار آیات مبارکہ کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو ذاتی مانتے ہیں اور مخلوق کی صفات کو عطائی۔ کیونکہ جس کی صفات عطائی ہوں وہ ان صفات کے عطا کرنے والے کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ اللہ تعالیٰ کا شریک یا اس کے برابر نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔

پس قرآنی توحید یہ ہے کہ مذکورہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ذاتی، واجب، ازلی، ابدی، لامحدود ولامتناہی شان کی حامل ہیں جبکہ انبیاء واولیاء کو یہ صفات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں اس لیے ان کی یہ صفات عطائی، ممکن، حادث، عارضی، محدود و متناہی شان کی حامل ہیں۔اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کا شبہ کرنا یقیناً کسی صاحبِ فہم و دانش کو زیب نہیں دیتا۔

☆☆☆☆

﴿......باب دوم......﴾

اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ:

عموماً نبی کریم ﷺ اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنے میں زیادہ اختلاف کیا جاتا ہے اور یہ آیت پیش کی جاتی ہے، ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُوَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾

''ہم تیری عبادت کریں اور تجھی سے مدد چاہیں''۔ (الفاتحہ:۴)

......پھر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد مانگنا شرک ہے۔

عرض یہ ہے کہ کیا واقعی مذکورہ خیال کے علمبردار لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد نہیں مانگتے؟ جواب یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ جو اپنی دنیاوی ضروریات میں قدم قدم پر بندوں سے مدد مانگیں، بیمار ہوں تو ڈاکٹر سے مدد، تھانے کا معاملہ ہو تو پولیس سے مدد، کچہری کا مسئلہ ہو تو وکیل سے مدد، نیز عام دینی و دنیاوی کاموں میں بیشمار لوگوں سے مدد۔ مذکورہ آیت میں تو مطلقاً مدد مانگنے کا ذکر ہے کہ ہم صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں یعنی تیرے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتے خواہ وہ تیرے محبوب بندے ہوں یا عام لوگ، خواہ وہ دور ہوں یا قریب، خواہ زندہ ہوں یا فوت شدہ۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا صرف انبیاء کرام اور صالحین سے ہی مدد مانگنا شرک ہے اور باقی لوگوں سے خالص توحید؟ صبح شام لوگوں سے چندہ اور عطیات مانگنے والے اپنے معاملات میں اس آیت مبارکہ کو کیوں بھول جاتے ہیں۔ ضد اور تعصب سے ہٹ کر اس مسئلہ کو قرآن کریم کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

استعانت دو قسم کی ہے۔ حقیقی اور مجازی۔

حقیقی استعانت یہ ہے کہ کسی کو قادر بالذات، مالک مستقل اور حقیقی مددگار سمجھ کر اس سے مدد مانگی جائے یعنی اسکے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کے بغیر خود اپنی ذات سے مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہے، غیر خدا کے لیے ایسا عقیدہ رکھنا شرک

ہے۔ کوئی بھی مسلمان رسولِ معظم ﷺ اور اولیاء کرام کے متعلق ایسا عقیدہ نہیں رکھتا جبکہ کفار اپنے بتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی عطا کے بغیر اُن کے مددگار و شفیع ہونے کا باطل عقیدہ رکھتے تھے۔ ارشاد ہے،

﴿وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰهِ﴾

''اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں کچھ نقصان دے سکے نہ ان کا کچھ بھلا کرے، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں''۔ (یونس:۱۸)

مجازی استعانت یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر، حصولِ فیض کا ذریعہ اور قضائے حاجات کا وسیلہ جان کر اُس سے مدد مانگی جائے یعنی اس کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بندہ اللہ کی عطا اور رضا سے مدد کر سکتا ہے۔ یہ قطعاً حق ہے۔

مجازی استعانت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

1۔ ﴿وَمَالَکُمْ لَاتُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا﴾

''اور تمہیں کیا ہوا کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں، اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے واسطے، یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے دے''۔ (النساء:۷۵)

مکہ کے مسلمان یہ دعا مانگتے تھے، حضور ﷺ نے مکہ فتح کر کے عتاب بن اُسید کو انکا والی بنایا، اس طرح انہیں اللہ نے انکا مددگار بنا دیا۔ (تفسیر مظہری)

دیوبند کے مشہور عالم اشرف علی تھانوی صاحب کے بقول اس آیت میں حمایتی

اور مددگار کا بہترین مصداق نبی کریم ﷺ کو کہا جائے تو اچھا ہے۔(بیان القرآن)

2۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو مددگار بنانے کی دعا کی،

﴿وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَهۡلِیۡ o هٰرُوۡنَ اَخِی o اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِیۡ o وَاَشۡرِكۡهُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ﴾ (طٰہٰ:۲۹تا۳۲)

''اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر کر دے، وہ کون میرا بھائی ہارون، اس سے میری کمر مضبوط کر، اور اسے میرے کام میں شریک کر''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا، ''اے موسیٰ! تم نے شرک کیا، کیا مدد کے لیے میں کافی نہیں ہوں؟'' بلکہ یہ دعا قبول فرمائی اور ارشاد ہوا،

﴿قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَكَ یٰمُوۡسٰی﴾

''اے موسیٰ! تیری مانگ تجھے عطا ہوئی''۔(طٰہٰ:۳۶)

3۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے مدد مانگی۔

﴿مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ﴾

''کون ہیں جو اللہ کی طرف ہو کر میری مدد کریں، حواریوں نے کہا، ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں''۔(اٰلِ عمران:۵۲، الصّف:۱۴)

4۔ ایمان والوں کو صبر اور نماز سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ﴾

''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو''۔(البقرہ:۱۵۳)

5۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تختِ بلقیس لانے کیلئے مدد مانگی۔

﴿اَیُّكُمۡ یَاۡتِیۡنِیۡ بِعَرۡشِهَا قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ﴾

''تم میں کون ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہوں''۔(النمل:۳۸)

6۔ حضرت ذوالقرنین نے لوگوں سے مدد مانگی۔

﴿فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّةٍ اَجۡعَلۡ بَیۡنَكُمۡ وَبَیۡنَهُمۡ رَدۡمًا﴾

''تو میری مدد طاقت سے کرو کہ میں تم میں اور اُن (یاجوج ماجوج) میں ایک مضبوط آڑ بنا دوں''۔(الکہف:۹۵)

7۔ نیک کاموں میں مسلمانوں کو مددگار بننے کا حکم دیا گیا۔

﴿وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی﴾

''اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو''۔(المائدہ:۲)

8۔ حفاظت کرنا بھی مدد ہے اور یہ کام فرشتے کرتے ہیں۔

﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ یَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ﴾

''آدمی کے لیے بدلی والے فرشتے ہیں اُسکے آگے پیچھے کہ بحکمِ خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں''۔(الرعد:۱۱)

9۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ، صالحین اور فرشتوں کا مددگار ہونا یوں بیان فرمایا گیا،

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰىهُ وَجِبۡرِیۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِیۡرٌ﴾

''بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے، اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں''۔(التحریم:۴، کنزالایمان)

10۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ، حضور ﷺ اور صالحین کا مددگار ہونا یوں بیان ہوا،

﴿اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ رٰكِعُوۡنَ﴾ (المائدہ:۵۵)

''بیشک تمہارے مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں''۔

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ حقیقی مددگار و مشکل کشا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اُس کی عطا سے اُسکے محبوب بندے بھی مددگار ہوتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر جان کر اُن سے مدد مانگنا شرک نہیں۔(اسلامی عقائد:۱۵)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس تمام گفتگو کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ مشکل اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو مدد کے لیے پکارا نہ جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مددگار و مشکل کشا ہے، اسی سے حقیقی استعانت کی جائے اور اس کی بارگاہ میں انبیاء اور اولیاء کا وسیلہ پیش کر کے دعا مانگی جائے۔ البتہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں سے مجازی استعانت کرتے ہیں وہ بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں بالکل جائز ہے اور ہرگز شرک نہیں لہٰذا صحیح العقیدہ مسلمانوں کو مشرک کہنے سے اجتناب کیا جائے۔

مجددِ برحق اعلیٰ حضرت امام الشاہ احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''برکاتُ الامداد لاھلِ الاستمداد'' میں فرماتے ہیں،

''اس استعانت ہی کو دیکھیے کہ جس معنی پر غیر خدا سے شرک ہے یعنی قادر بالذات و مالک مستقل جان کر مدد مانگنا، ان معنوں میں ہی اگر بیماری کے علاج میں طبیب یا دوا سے استمداد کرے یا فقیری کی حاجت میں امیر یا بادشاہ کے پاس جائے یا انصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑائے بلکہ کسی سے روزمرہ کے معمولی کاموں میں مدد لے جو یقیناً تمام منکر حضرات روزانہ اپنی عورتوں، بچوں، نوکروں سے کرتے کراتے رہتے ہیں مثلاً یہ کہنا کہ فلاں چیز اٹھا دے یا کھانا پکا دے، سب قطعی شرک ہے جب کہ یہ جانا کہ اس کام کے کر دینے پر خود انہیں اپنی ذات سے بے عطائے الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر و شرک میں کیا شبہ رہا؟ اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر، واسطہ، وسیلہ اور سبب جان کر، تو انہی معنوں میں انبیاء کرام و اولیاء عظام سے مدد مانگنا شرک کیونکر ہوگا؟''۔

جب ہم آقا و مولیٰ ﷺ یا کسی صحابی (رضی اللہ عنہ) یا اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے مدد مانگتے ہیں تو ہمارا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مدد کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اسکی مرضی سے ہماری مدد کریں گے، اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو یہ ہماری مدد نہیں کر سکتے۔

پس محبوبانِ خدا کو مددگار و متصرف سمجھنا اور ان سے مدد مانگنا ہرگز شرک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مددگار و مشکل کشا ہونا بالذات اور مخلوق سے بے نیاز و غنی ہو کر ہے جبکہ انبیاء کرام، اولیاء عظام اور مومنوں کا مددگار و مشکل کشا ہونا اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے محتاج ہیں نیز ان کا تصرف و اختیار اور ان کی طاقت و قدرت اِذنِ الٰہی کے تابع ہے۔(تفسیر انوار القرآن:۳۵۸)

نبی کریم ﷺ نے قبیلہ ہوازن کے وفد سے فرمایا،

فَاِذَا صَلَّیْتُ الظُّهْرَ فَقُوْمُوْا فَقُوْلُوْا اِنَّا نَسْتَعِیْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَوِ الْمُسْلِمِیْنَ فِیْ نِسَائِنَا وَاَبْنَائِنَا...... (نسائی کتاب الھبۃ)

''جب میں نماز ظہر پڑھ لوں تو کھڑے ہو کر اس طرح کہنا، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں سے مدد مانگتے ہیں اپنی عورتوں اور بچوں کے بارے میں''۔

ان کی عرض پر حضور ﷺ نے مالِ غنیمت سے اپنا اور بنوعبدالمطلب کا حصہ بھی انہیں دیا نیز ان کے عورتیں اور بچے آزاد کرائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے خود اپنی ذاتِ اقدس اور مسلمانوں سے مدد مانگنے کی تعلیم دی ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ **اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ** کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

''یہ سمجھنا چاہئے کہ مخلوق سے ایسی استعانت حرام ہے جس میں مخلوق ہی پر اعتماد ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر نہ جانے۔ اگر توجہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر جانے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور کارخانۂ اسباب پر نظر کرتے

ہوئے مخلوق سے ظاہری طور پر مدد مانگے تو یہ راہ معرفت سے دور نہیں اور یہ استعانت شریعت میں جائز ہے۔ اس قسم کی استعانت انبیاء کرام اور اولیاء عظام نے بھی مخلوق سے کی ہے اور در حقیقت یہ استعانت غیر اللہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے''۔ (تفسیر عزیزی جلد اول ص ۸)

محمود الحسن صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، ''اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے، ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانتِ ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے''۔ (حاشیہ تفسیر ص ۲)

محمد شفیع دیوبندی نے بھی یہی لکھا ہے کہ ''حقیقی طور پر اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا نہ سمجھے، اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے۔ کسی نبی یا ولی وغیرہ کو وسیلہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اس کے منافی نہیں''۔ (معارف القرآن)

اس مسئلے پر مشہور غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں لکھتے ہیں،

''جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ جمال گوٹہ اَز خود دَست لاتا ہے یا آگ اَز خود جلاتی ہے وہ مشرک ہے اور جو یہ جانتا ہے کہ جمال گوٹہ کا دست لانے کا سبب بننا اور آگ کا جلانا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُسکے اِذن و ارادے سے ہے تو وہ توحید پرست ہے مشرک نہیں''۔ (ہدیۃ المہدی ص ۱۷)

اس تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کو رحمتِ الٰہی کا مظہر سمجھ کر ان سے مجازی طور پر مدد مانگنا جائز ہے۔

استعانت بعد از وصال:

قرآن وحدیث کے واضح دلائل سن کر جب ایسے لوگ لاجواب ہوجاتے ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں، ''زندوں سے استعانت کے ہم بھی قائل ہیں مگر فوت شدہ لوگوں سے

استعانت شرک ہے''۔

اس کے جواب میں مجددِ برحق، امام احمد رضا محدث قادری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے گا شرک ہوگا اور ایک کے لئے شرک نہیں تو وہ کسی کے لئے شرک نہیں ہوسکتا۔ کیا اللہ کے شریک مردے نہیں ہوسکتے، زندہ ہوسکتے ہیں؟ دُور کے نہیں ہوسکتے، پاس کے ہوسکتے ہیں؟ انبیاء نہیں ہوسکتے، حکیم ہوسکتے ہیں؟ انسان نہیں ہوسکتے، فرشتے ہوسکتے ہیں؟ حاشا للہ! اللہ عزوجل کا شریک کوئی نہیں ہوسکتا''۔ (برکات الامداد، ص ۲۸)

اسی حوالے سے غیر مقلدین کے پیشوا نواب وحید الزماں لکھتے ہیں،

''عجیب ترین بات یہ ہے کہ ہمارے کچھ (غیر مقلد) بھائیوں نے اس مسئلہ میں زندوں اور مُردوں کا فرق کیا ہے اور گمان کیا ہے کہ وہ اُمور جو بندوں کی قدرت میں ہیں، اُن امور میں زندوں سے مدد مانگنا شرک نہیں جبکہ مُردوں سے مدد مانگنا شرک ہے حالانکہ یہ کھلا مغالطہ ہے کیونکہ غیر اللہ ہونے میں زندہ اور مردہ برابر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مُردوں سے مدد مانگنا اُنہیں زندوں کا شریک بنانا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا شریک''۔ (ہدیۃ المہدی، ص ۱۸)

ہمارا سوال یہ ہے کہ کسی زندہ کا سامنے موجود ہونا اور مدد کرنے کی قدرت رکھنا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اِذن سے ہے یا اس کے بغیر؟ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے اِذن کے بغیر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ اُس ''زندہ موجود'' مددگار کو اللہ تعالیٰ کے برابر ماننے کے مترادف اور صریح شرک ہے۔

یقیناً آپ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی دی ہوئی طاقت سے وہ مدد کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک عام زندہ شخص پر تو اللہ کا فضل و کرم اور اس کی عطا کردہ طاقت مانی جارہی ہے، انبیاء کرام، شہداء اور صالحین پر یہ فضل و کرم نہ ہونے کی

کون سی دلیل ہے حالانکہ ان کے محبوب ومقرب ہونے پراور وصال کے بعد ان کے زندہ ہونے پر تو قرآن وحدیث گواہ ہیں۔

الحمدُ للہ! ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کو وصال کے بعد حیات عطا فرمائی ہے اور یہ محبوب بندے رب تعالیٰ کے اِذن سے، اُس کی دی ہوئی روحانی طاقت سے لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔

تھانوی صاحب نے بھی یہی عقیدہ تسلیم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں،

جواستعانت واستمداد باعتقادِ علم وقدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم وقدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ جس سے مدد مانگی جائے وہ زندہ ہو یا مردہ۔ (امدادالفتاویٰ ج ۴ ص ۹۹)

یعنی کسی فوت شدہ سے مدد مانگنا محض اس بناء پر شرک نہیں ہوسکتا کہ وہ فوت شدہ ہے بلکہ شرک کا سبب یہ عقیدہ رکھنا ہوگا کہ وہ بالذات علم وقدرت کی صفات کا مستقل مالک ہے۔ الحمدللہ! کوئی مسلمان کسی نبی یا ولی کے متعلق یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ وہ خود سے علم وقدرت کی صفات کے مستقل مالک ہیں۔

بلکہ ہر مسلمان یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان محبوب بندوں کو علم بھی عطا فرمایا اور قدرت بھی۔ یہ مقبول بندے رب تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت وقدرت سے ہماری مشکل کشائی اور حاجت روائی فرماتے ہیں۔

قرآن مجید سے ایک آیتِ مبارکہ ملاحظہ فرمایئے جس میں انبیاء کرام کو سید الانبیاء ﷺ کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ. قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ

الشّٰهِدِيْنَ ٥﴾

’’اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے اُن کا عہد لیا، ’’جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے، تو تم ضرور ضرور اُس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اُس کی مدد کرنا‘‘۔

(پھر اللہ نے) فرمایا، کیوں تم نے اقرار کیا؟ اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی، ہم نے اقرار کیا۔ (پھر اللہ نے) فرمایا، تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں‘‘۔ (اٰلِ عمران: ۸۱، کنزالایمان)

حالانکہ رب تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کے حبیب ﷺ دیگر انبیاء کرام کے وصال فرمانے کے بعد دنیا میں تشریف لائیں گے پھر بھی مدد کرنے کا تاکیدی حکم دیا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کے نبی ظاہری طور پر دنیا میں موجود ہوں یا وصال کے بعد اپنے مزاراتِ مبارکہ میں زندہ ہوں، وہ ایمان بھی لاتے ہیں اور مدد بھی کرتے ہیں۔ مدد کرنے والے کو مددگار کہتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے انبیاءکرام کو مددگار بنایا ہے۔

حضور سے بعد وصال استعانت:

1۔ امام بخاری وامام مسلم کے استاد، امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہم اللہ نے صحیح سند سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سخت قحط پڑا۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر عرض کی،

’’یارسول اللہ ﷺ! اپنی امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش مانگیں، کیونکہ آپ کی امت ہلاک ہو رہی ہے‘‘۔

اس شخص کے خواب میں حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا، عمر کے پاس جا کر سلام کہو اور انہیں خبر دو کہ بارش ہو جائے گی۔ انہیں یہ بھی کہو کہ وہ سوجھ بوجھ اختیار کریں۔

وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سن کر رو پڑے اور کہنے لگے، اے رب! میں وہی کام چھوڑتا ہوں جس سے میں عاجز ہو جاؤں۔ (المصنف ج ۱۲: ۳۲)

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں، روضۂ انور پر آنے والے شخص مشہور صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔
(فتح الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۳۹۸)

2۔ اس حدیث کو علامہ ابن کثیر نے امام بیہقی رحمہما اللہ کی سند سے ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا اور اس میں یہ وضاحت ہے کہ خواب میں تشریف لانے والے صاحب، رسولِ معظم ﷺ ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷: ۹۲)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی ان سے مشکل کشائی کے لیے عرض کرتے اور حضور ﷺ ان کی مشکل کشائی فرماتے۔ مذکورہ حدیث میں بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سارا واقعہ سنایا اس پر انہوں نے انکار نہیں کیا اور نہ ہی انہیں تنبیہ کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی وصال کے بعد صاحبِ قبر سے مدد کی درخواست کرنا بالکل جائز ہے۔

3۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عقیدہ تھا اسی لیے انہوں نے وصال سے قبل وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ آقا و مولیٰ ﷺ کے روضۂ مبارک کے سامنے رکھ کر اجازت طلب کرنا۔ اگر اجازت مل جائے تو مجھے حجرۂ مبارک کے اندر دفن کرنا ورنہ قبرستان میں دفن کر دینا۔

جب آپ کا جنازہ حجرہ مبارک کے سامنے رکھ کر عرض کیا گیا، ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر سلام ہو۔ ابوبکر دروازے پر حاضر ہیں''۔ تو خود بخود دروازہ کھل گیا اور روضۂ

اطہر سے آواز آئی، اَدْخِلُوا الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ۔ دوست کو دوست کے پاس لے آؤ۔ (تفسیر کبیر ج ۵: ۶۸۵، خصائص کبریٰ، سیرتِ حلبیہ)

4۔ حضرت ابو الجوزاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار اہلِ مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں فریاد کی۔ انہوں نے فرمایا، نبی کریم ﷺ کے مزار کی طرف توجہ کرو اور ایک سوراخ آسمان کی جانب کر دو تا کہ قبرِ انور اور آسمان کے درمیان آڑ نہ رہے۔

جب لوگوں نے ایسا کیا تو خوب بارش ہوئی اور سبزہ اُگ گیا اور اونٹ فربہ ہو گئے۔ اس سال کو لوگ خوشحالی کا سال کہنے لگے۔ (مشکوٰۃ باب الکرامات)

اس حدیث پاک میں چند باتیں غور طلب ہیں۔

اول: لوگ بارش نہ ہونے کی شکایت لیکر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس کیوں گئے، اللہ تعالیٰ سے براہِ راست دعا کیوں نہ مانگی؟

جواب: یہ لوگ صحابہ و تابعین تھے اور خوب جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کے لیے اس کے کسی محبوب بندے کا وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے، شرک نہیں۔

دوم: اُمُّ المومنین کو چاہیے تھا کہ انہیں کہتیں، نمازِ استسقاء پڑھو۔ روضۂ انور کی چھت میں سوراخ کرنے کی ''بدعت'' کیوں تعلیم دی؟

جواب: دراصل انہیں یقین تھا کہ جب آسمان اور قبرِ اطہر کے درمیان آڑ نہیں رہے گی تو اسی وقت بارش ہو جائے گی کیونکہ آقا و مولیٰ ﷺ رحمتِ الٰہی کے جلد حصول کا بہترین وسیلہ ہیں۔

سوم: قبرِ انور سے استعانت کے حکم کو سن کر صحابہ و تابعین نے اُمُّ المومنین کو اس ''شرک و بدعت'' سے کیوں نہ روکا اور ان کی اصلاح کیوں نہ کی؟

جواب: دورِ صحابہ میں بھی نبی کریم ﷺ کی قبر انور سے استعانت کو جائز سمجھا جاتا تھا

اگرچہ یہ مافوقُ الاسباب اُمورہی میں ہوتی۔ظاہر ہے کہ وہ قرآن حدیث کو ہم سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔الحمدُ للہ!اہلسنت صحابہ کرام ہی کے راستے پر گامزن ہیں۔

دو ایمان افروز حدیثیں:

5۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے تین دن بعد ایک اعرابی آیا اور روضہ اطہر پر حاضر ہوکر اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا اور یوں عرض گزار ہوا،

یارسول اللہ ﷺ! آپ نے اللہ کا جو کلام ہمیں پہنچایا اس میں یہ آیت بھی ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء:٦٤)

’’اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب ﷺ! تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی انکی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں‘‘۔

پھر اس نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے یعنی گناہ کیے ہیں، اب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ میری مغفرت فرمائیں۔

روضۂ اقدس سے آواز آئی، قد غفر لك۔اے اعرابی! تجھے بخش دیا گیا۔

(تفسیر مدارک التنزیل)

6۔ علامہ قرطبی اور علامہ ابن کثیر رحمہما اللہ لکھتے ہیں،

حضرت عتبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی قبرانور پر حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے سلام عرض کیا، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه۔ پھر عرض کرنے لگا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے،

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾

’’اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب ﷺ! تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی انکی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں‘‘۔(النساء:٦٤)

اے اللہ کے رسول! میں آپ کی بارگاہ میں گناہ کی معافی کے لیے حاضر ہوا ہوں اور اپنے رب کی طرف آپ سے شفاعت کا طلبگار رہوں۔

پھر اس نے دو اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے،

’’اے وہ ذات جو دفن شدہ لوگوں میں سب سے بہتر ہے، جن کی خوشبو سے میدان اور ٹیلے خوشبودار ہوگئے۔ میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ آرام فرما ہیں، اس میں پاک دامنی، عفو اور جودوکرم ہے‘‘۔

پھر وہ اعرابی چلا گیا۔ راوی کہتے ہیں، مجھ پر نیند غالب آ گئی اور مجھے خواب میں آقا و مولیٰ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا، اے عتبی! اس اعرابی کے پاس جاؤ اور اسے یہ خوشخبری سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی ہے۔(تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر)

ان احادیث سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ و تابعین کے زمانے میں نبی کریم ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد بھی آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے توسل کیا جاتا تھا اور آپ سے مغفرت وشفاعت مانگی جاتی تھی۔

محمد شفیع عثمانی صاحب اس آیت کے تحت لکھتے ہیں، ’’آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہوسکتی تھی، اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے‘‘۔(معارف القرآن ج ٢ ص ٤٥٩)

ظفر احمد عثمانی صاحب بھی یہ واقعہ ذکر کرکے لکھتے ہیں،

’’پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی

ہے''۔(اعلاء السنن ج ۱۰ص ۳۳۰)

اللہ ہی کافی ہے :

اس حوالے سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ﴿اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ﴾ ''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں''۔(الزمر:۳۶)

اس مضمون کے اسٹکرز چھاپے جاتے ہیں،[''صرف یا اللہ مدد، باقی سب شرک''] ......[''اے نبی! کہہ دو مجھے اللہ کافی ہے'']

اس طرح گویا یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنا اللہ تعالیٰ کے کافی ہونے کے منافی ہے،لہٰذا شرک ہے۔

آیئے اس مسئلے میں قرآن کریم سے راہنمائی لیتے ہیں کہ ﴿حَسۡبُنَا اللّٰہُ﴾، ﴿حَسۡبِیَ اللّٰہُ﴾ اور ﴿حَسۡبُکَ اللّٰہُ﴾ کے الفاظ قرآن مجید میں کس شانِ نزول کے ساتھ آئے ہیں۔

1) غزوہ احد سے واپسی پر کفار نے کہا تھا کہ اگلے سال بدر میں جنگ کریں گے۔ جب وہ وقت آیا اور مسلمانوں نے جنگ کی تیاری شروع کی تو منافقوں نے کہا،تم جنگ کے لیے جانا چاہتے ہو۔اہلِ مکہ نے تمہارے لیے بڑے لشکر جمع کیے ہیں،خدا کی قسم! تم میں سے ایک بھی زندہ واپس نہ آئے گا۔اس کے جواب میں سید عالم ﷺ نے کہا، اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ کیا اچھا کارساز ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر، بخاری کتاب التفسیر)

﴿اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ٥﴾

''وہ جن سے لوگوں (یعنی منافقین) نے کہا کہ لوگوں (یعنی مشرکینِ مکہ) نے تمہارے لیے جتھا جوڑا تو ان سے ڈرو۔تو ان کا ایمان اور زائد ہوا اور بولے، اللہ ہمیں

کافی ہے اور وہ کیا اچھا کارساز ہے''۔(ال عمران:۱۷۳)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ سیدِ عالم ﷺ نے جب یہ فرمایا،''اللہ ہمیں کافی ہے'' تو کیا انہوں نے یہ بات صحابہ کرام سے کہی تھی؟ پھر تو انہیں صحابہ کرام سے یہ فرمانا چاہیے تھا، اے صحابہ! تم اپنے گھروں میں رہو، میرے ساتھ بدر میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ مجھے اللہ کافی ہے۔لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ حضور ﷺ نے صحابہ کو ساتھ جانے کے لیے فرمایا اور انہیں ساتھ لے کر بدر کو گئے۔ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے یہ بات منافقوں سے فرمائی تھی کہ ''اللہ ہمیں کافی ہے''۔

پھر صحابہ کرام کو اپنے ساتھ بدر لے جا کر آقا کریم ﷺ نے یہ ثابت فرما دیا کہ صحابہ کرام کو مددگار بنانا اللہ تعالیٰ کے کافی ہونے کے منافی نہیں بلکہ اسی کی مدد کی ایک ظاہری صورت ہے۔اسی طرح صحابہ کرام کی زبانوں پر بھی یہ جملہ جاری تھا اور وہ نبی کریم ﷺ کے سہارے پر بدر کو گئے اور اپنے عمل سے یہ بتا دیا کہ آقا و مولیٰ ﷺ کو مددگار سمجھنا اللہ تعالیٰ کے کافی ہونے کی ہی ایک صورت ہے۔

2) نبی کریم ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ عبداللہ بن ذوالخویصرہ تمیمی آ گیا اور بولا، یارسول اللہ! عدل کیجئے۔حضور ﷺ نے فرمایا، تجھے خرابی ہو، میں اگر عدل نہ کروں تو کون کرے گا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔

غیب جاننے والے آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، اسے جانے دو، اس کے اور بھی ساتھی ہیں۔تم اپنی نمازوں کو اُن کی نمازوں کے مقابلے میں، اپنے روزوں کو اُن کے روزوں کے مقابلے میں اور اپنے اعمال کو اُن کے اعمال کے مقابلے میں حقیر جانو گے۔وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ اُن کے حلق سے آگے نہیں جائے گا۔وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔(بخاری، مسلم)

راوی کہتے ہیں کہ اسی بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

(صحیح بخاری کتاب استتابۃ المرتدین)

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَاهُمْ يَسْخَطُوْنَo﴾

''اوران میں کوئی وہ ہے کہ صدقے بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے،تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو راضی ہو جائیں اور نہ ملے تو جبھی وہ ناراض ہیں''۔

﴿وَلَوْاَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَo﴾

''اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ ورسول نے ان کو دیا اور کہتے، ہمیں اللہ کافی ہے،اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول،ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے''۔(التوبۃ:۵۸،۵۹)

ثابت ہوا کہ منافقین رسول معظم ﷺ سے دلی طور پر راضی نہیں تھے اسی لیے وہ مختلف حیلے بہانے سے آقا ومولیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر تنقید کیا کرتے تھے۔اس آیت مقدسہ میں منافقین کو نفاق سے بچنے اور سچا مومن بننے کے لیے تین باتیں اپنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔

۱......اللہ اور رسول ﷺ کی عطا پر راضی ہوں اور پھر یہ کہیں،''ہمیں اللہ کافی ہے''۔

۲......اور یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نعمتیں دیتا ہے اور اس کا رسول بھی،اور دونوں کا فضل ایک ہی ہے۔

۳......حضور ﷺ کے قاسمِ نعمت ہونے کا عقیدہ،توحید کے منافی نہیں۔یہ ماننا اللہ ہی کی طرف رغبت کی دلیل ہے۔

اگر حضور ﷺ کے نعمتیں عطا فرمانے کا عقیدہ شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم

میں حضور ﷺ کی عطا کا ذکر کر کے یہ نہ فرماتا کہ اللہ کافی ہے۔اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ﴾ کہنا بارگاہِ الٰہی میں اُنہی کا مقبول ہوتا ہے جو حضور ﷺ کو نعمتیں دینے والا مانتے ہیں اور اللہ ورسول کا فضل ایک ہی سمجھتے ہیں۔

صحابہ کرام کا یہی عقیدہ تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ آقا کریم ﷺ نے خود انہیں یہ تعلیم دی تھی،﴿اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِىْ﴾

''بیشک میں تقسیم کرتا ہوں اور اللہ مجھے عطا کرتا ہے''۔(بخاری،مسلم)

اسی بناء پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا''میرے گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے''۔(ترمذی ابواب المناقب)

رحمتِ عالم ﷺ کی شانِ محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی رضا کو اپنی رضا قرار دیا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے،

﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾(التوبۃ:۶۲)

''اور اللہ ورسول کا حق زائد تھا کہ اُسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ یعنی دو ہستیوں کا ذکر ہے اور ﴿يُّرْضُوْهُ﴾ میں ضمیر واحد بیان ہوئی ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ معظم ﷺ کو راضی کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے کیونکہ رسول ﷺ کی رضا میں ہی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔یہ عقیدہ شرک نہیں بلکہ عین توحید ہے۔

3) رحمتِ عالم ﷺ نے کافروں کو ایمان لانے کی دعوت دی جو انہوں نے رد کر دی۔ارشاد ہوا،اے حبیب ﷺ!اگر یہ آپ پر ایمان لانے سے منہ موڑیں اور آپ کے مقابلے میں جنگ پر آمادہ ہو جائیں تو آپ فرمائیے،میرا رب مجھے کافی ہے۔وہی تمہارے خلاف میری مدد فرمائے گا۔(کبیر،مظہری)

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ﴾

''پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرمادو کہ مجھے اللہ کافی ہے''۔(التوبۃ ۱۲۹)

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ بات صحابہ کرام اور مومنوں سے کہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان کافروں اور منافقوں سے کہنے کو ارشاد فرمایا تھا جو یہ سمجھتے تھے کہ ہم ان کے ساتھ ہونگے تو یہ کامیاب ہونگے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کافر منہ نہ پھیریں تو پھر کیا اللہ کافی نہیں؟ اللہ تعالیٰ تو ہر حال میں کافی ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ ﴿حَسْبِیَ اللّٰهُ﴾ کہنا صحابہ واولیاء کو مددگار بنانے کے منافی نہیں ہے۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ ''پھر اگر وہ منہ پھیریں'' کے الفاظ اس پر واضح دلیل ہیں کہ اس ارشاد کے مخاطب کفار ومنافقین ہیں، ایمان والے نہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ اے حبیب! ان کافروں سے فرمادو، مجھے تمہاری ضرورت نہیں، مجھے اللہ کافی ہے۔ ان منافقوں سے فرمادو، مجھے تمہاری ضرورت نہیں، مجھے اللہ کافی ہے۔

اور شمعِ رسالت کے پروانوں سے یہ فرمادو! اے ابوبکر وعمر! مجھے تمہاری ضرورت ہے، اے عثمان وعلی! مجھے تمہاری ضرورت ہے، اے میرے صحابہ! مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ مجھے اللہ کافی ہے اور تم سب کا میرے ساتھ ہونا اللہ کے کافی ہونے کی ہی ایک صورت ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی مدد کا مظہر بنایا ہے۔

4) کفار نے نبی کریم ﷺ کو ڈرانا چاہا اور آپ سے کہا، آپ ہمارے معبودوں یعنی بتوں کی برائیاں بیان کرنے سے باز آیئے ورنہ وہ آپ کو نقصان پہنچائیں گے، ہلاک کردیں گے یا عقل کو فاسد کردیں گے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَیُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ﴾

''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں، اور تمہیں ڈراتے ہیں اس کے سوا اوروں سے، اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت کرنے والا نہیں''۔(الزمر:۳۶)

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۝﴾

''اور اگر تم ان سے پوچھو، آسمان اور زمین کس نے بنائے تو ضرور کہیں گے، اللہ نے۔ تم فرماؤ! بھلا بتاؤ تو وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کی بھیجی تکلیف ٹال دیں گے؟ یا وہ مجھ پر رحمت فرمانا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک رکھیں گے؟ تم فرماؤ! مجھے اللہ کافی ہے۔ بھروسے والے اسی پر بھروسہ کریں''۔(الزمر:۳۸)

جب نبی کریم ﷺ نے مشرکین سے یہ سوال فرمایا تو وہ لاجواب ہوئے اور ساکت رہ گئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے ارشاد فرمایا، اے حبیب! تم فرماؤ، مجھے اللہ کافی ہے۔ میرا اسی پر بھروسہ ہے اور جس کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو وہ کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔ تم جو مجھے بت جیسی بے قدرت و بے اختیار چیزوں سے ڈراتے ہو، یہ تمہاری نہایت ہی بے وقوفی و جہالت ہے۔(خزائن العرفان)

گویا آقا کریم ﷺ نے مشرکوں سے فرمایا،

''مجھے مصیبت وتکلیف سے بچنے کے لیے تمہارے کسی بت کی حاجت نہیں اور نہ ہی نفع لینے کے لیے تمہارے کسی جھوٹے خدا کی ضرورت ہے، مجھے میرا اللہ کافی ہے۔ اور بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

میں نے اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہوئے بدر میں تین سو تیرہ صحابہ کو ساتھ لیا تھا۔ مختلف غزوات میں ہزاروں صحابہ کو ساتھ لینا اللہ تعالیٰ کے کافی ہونے کے ہرگز منافی نہیں کیونکہ صحابہ اللہ تعالیٰ ہی کی مدد کے مظہر ہیں''۔

اس مضمون پر فیصلہ کن آیت ملاحظہ فرمائیے۔ رب تعالیٰ نے واضح الفاظ میں اپنے کافی ہونے کے ساتھ ایمان والوں کے کافی ہونے کا بھی ذکر فرما دیا۔ ارشاد ہوا،

5) ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ٥﴾

''اے غیب کی خبریں بتانے والے! اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ مسلمان جو تمہاری پیروی کرتے ہیں''۔ (الانفال:۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے متعلق نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر)

اس کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مسلمان کافی ہیں جو آپ کے ساتھ ہیں۔ (تفسیر کبیر، ابن کثیر، مدارک التنزیل)

اس آیت کریمہ سے قبل اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ اللہ تمہیں کافی ہے اور اس کے کافی ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ براہ راست تمہاری مدد کرتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ مومنوں کے ذریعے تمہاری مدد فرماتا ہے۔ ارشاد فرمایا،

6) ﴿وَاِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ یَّخْدَعُوْکَ فَاِنَّ حَسْبَکَ اللّٰهُ هُوَالَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ٥﴾

''اور اگر وہ (کافر) تمہیں فریب دینا چاہیں تو بیشک تمہیں اللہ کافی ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا''۔ (الانفال:۶۲)

رب کریم کے مدد فرمانے کی دو صورتیں اس آیت کریمہ میں بیان ہوئی ہیں۔ ایک براہ راست مدد اور دوسری بالواسطہ مدد۔

﴿بِنَصْرِهٖ﴾ سے مراد رب تعالیٰ کی وہ مدد ہے جو بغیر کسی واسطہ کے ہو۔

﴿وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ مدد ہے جو مومنوں کے واسطے سے ہو۔

یہ دونوں قسم کی امداد، درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی مدد کی صورتیں ہیں۔ اس آیت پر

ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ کافی ہے اور ساتھ ہی مذکورہ دونوں طرح کی مدد پر بھی ایمان رکھا جائے۔

الحمدُ للہ! ہم اہلسنت اللہ تعالیٰ کی اُس مدد پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو بغیر کسی واسطے کے ہوتی ہے اور اُس مدد پر بھی جو وہ اپنے انبیاء، اولیاء اور فرشتوں کے ذریعے کرتا ہے۔ قرآن مجید سے اس کی چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

7) غزوۂ بدر کے موقع پر رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُنْزَلِیْنَ﴾

''جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے، کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتے اُتار کر''۔ (الِ عمران:۱۲۴)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟ اس کا جواب ہے، بیشک کافی ہے۔ اب اگلا سوال یہ ہوگا کہ اگر وہ کافی ہے تو پھر تین ہزار فرشتے مددگار کیوں بنائے گئے اور ان تین ہزار فرشتوں کا مددگار ہونا مومنوں کے لیے کافی کیوں قرار دیا گیا؟

جواب یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کافی ہے اور تین ہزار فرشتوں کا مددگار ہونا بھی اس کے کافی ہونے کی ہی ایک صورت ہے کیونکہ اسی نے اپنے بعض بندوں کو بعض کا مددگار بنایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی مدد اس کے غیر کی نہیں بلکہ اسی کی بالواسطہ مدد ہے۔ جبکہ ﴿اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ﴾ میں اس کے غیر یعنی بتوں کی مدد کی نفی کی گئی ہے۔

8) ﴿بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ﴾

''ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو اور کافر اسی دَم تم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا''۔ (اٰلِ عمران: ۱۲۵)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بدر میں پہلے ایک ہزار فرشتے اُترے تھے پھر تین ہزار ہوگئے بعد ازاں پانچ ہزار کر دیے گئے۔ (تفسیر مدارک التنزیل)

انبیاء، اولیاء اور فرشتے امداد کے ظاہری اسباب اور وسیلہ ہیں مگر حقیقی امداد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے''، اس آیت کی یہی تفسیر ہے۔ (الانفال: ۱۰، مدارک التنزیل)

9) ﴿اِذْ يُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾

''جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم مسلمانوں کو ثابت رکھو''۔ (الانفال: ۱۲)

فرشتوں کو وحی فرمائی کہ مومنوں کو ثابت قدم رکھنا اور ان کی مدد کرنا۔ (ابن کثیر)

غور فرمائیے کہ ایک ہزار مسلح جنگجو کافروں کے مقابل تین سو تیرہ مسلمان ہوں اور انکے پاس نہایت قلیل اسلحہ ہو، ایسی مشکل ترین صورتحال میں فرشتے آ کر مسلمانوں کا حوصلہ بڑھائیں اور انہیں ثابت قدم رکھیں، یہ کتنی بڑی مدد اور مشکل کشائی ہے۔

قرآن کریم میں ایک اور مقام پر واضح الفاظ میں ثابت قدم رکھنے کو مدد کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے،

10) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا''۔ (محمد: ۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ثابت قدم رکھنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جبکہ اوپر مذکور

آیت سے واضح ہے کہ ثابت قدم رکھنا فرشتوں کا کام ہے۔ یہاں بھی فرق وہی ذاتی اور عطائی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں اور اس نے فرشتوں کو اپنی اس صفت کا مظہر بنا دیا۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے مدد کیوں مانگی؟

اگر کوئی کہے کہ اس سے مراد فلاں قسم کی مدد ہے تو جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ تو خود ہر قسم کی مدد فرما سکتا ہے پھر مومنوں کو مدد کے لیے کیوں فرمایا۔ ہمارا جواب یہ ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ رب کی عطا سے اُسکے بندے مجازی طور پر مددگار ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح اوپر مذکور آیت 9 پر غور فرمائیے کہ رب تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا، ''میں تمہارے ساتھ ہوں، تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو''۔

مفہوم یہ ہے کہ میری مدد تمہارے ساتھ ہے اور تم نے مومنوں کی مدد کرنی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ میں نے اپنے بندوں کو طاقت وقدرت عطا فرمائی ہے اور وہ میری دی ہوئی طاقت سے مشکل وقت میں مومنوں کی مشکل کشائی کرتے ہیں۔

ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اس کی دی ہوئی طاقت سے مددگار رہوتے ہیں اور ان کی مدد اللہ تعالیٰ کی بالواسطہ مدد ہی کی ایک صورت ہے۔

اسی لیے صحابہ اللہ تعالیٰ اور رسول معظم ﷺ کو اپنا مددگار جانتے اور اپنے لیے کافی سمجھتے۔ انہیں کوئی حاجت ہوتی یا مشکل، پانی کی ضرورت ہوتی یا کھانے کی، بارش کی ضرورت ہوتی یا صحت کی، وہ بارگاہِ نبوی میں عرض کرتے اور حاجت پوری ہوتی۔

ایک صحابی حضرت ابو فیروز رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ!

فَمَنْ وَلِيُّنَا ؟ قَالَ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ. قَالَ: حَسْبُنَا۔

ہمارا مددگار کون ہے؟ آقا کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول۔ انہوں نے عرض کی، ہمیں یہ کافی ہے۔ [اس کی سند ثقہ ہے] (مسند ابو یعلیٰ ج ۶: ۴۷)

☆☆☆☆

﴿......باب سوم......﴾

عِلمِ غیب اور شرک:

نَبَاءٌ کے معنی ہیں ''خبر''، اور نَبِیٌّ اس کا فاعل ہے جس کے معنی ہیں، ''خبر دینے والا''۔ انبیاء علیہم السلام غیب کی خبر دینے کے لیے ہی آتے ہیں کہ جنت وجہنم، قبر وحشر، عذاب وثواب غیب نہیں تو اور کیا ہیں؟ انبیاء کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن تک عقل وحواس کی رسائی نہیں اور اسی کا نام غیب ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے، ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾

''اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے''۔ (الِ عمران:۱۷۹)

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ٥ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾

''غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے''۔ (الجن:۲۶،۲۷)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ رسولوں کو علمِ غیب عطا ہونا عین توحید ہے، شرک نہیں۔

بعض لوگ جن کے مزاج میں نبی کریم ﷺ کی عظمت کا انکار کرنا ہے، وہ یہ آیات سن کر کہہ دیتے ہیں کہ ''جب غیب کا علم دے دیا گیا تو اب وہ ظاہر ہو گیا اس لیے غیب نہ رہا''۔ حیرت ہے کہ تعصب انسان کو کس قدر جہالت اور گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس علم کو خود غیب فرمایا ہے، یہ آیات ملاحظہ فرمائیے۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ (یوسف:۱۰۲)

''یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں''۔ (کنزالایمان)

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ﴾ (ھود:۴۹)

''یہ غیب کی خبریں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں''۔ (کنزالایمان)

غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے حبیب کے علم کو ''غیب'' فرما رہا ہے جبکہ یہ بندے نبی کے علم کو ''غیب'' ماننے سے منکر ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ کسی مسلمان کا عقیدہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی غیب جان سکتا ہے اور نہ ہی کسی مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ رسولِ معظم ﷺ کا علم، اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے۔ (معاذ اللہ)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''بلاشبہ غیر اللہ کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں ہو سکتا۔ مساوی تو درکنار، تمام اولین وآخرین، انبیاء ومرسلین اور ملائکہ ومقربین سب کے علوم مل کر علومِ الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھتے جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرا سی بوند کے کروڑویں حصے کو ہے کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ دونوں متناہی اور محدود ہیں اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہوتی ہے جبکہ علومِ الٰہیہ غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں''۔ (خالص الاعتقاد)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾

''ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا''۔ (الحشر:۲۲)

رحمتِ عالم ﷺ کے علمِ غیب کے منکرین پر حیرت ہے کہ وہ رسولوں کے لیے علمِ غیب کا عقیدہ رکھنے کو تو شرک کہتے ہیں مگر سب لوگوں کے لیے جو ظاہری چیزوں کا علم مانتے ہیں اس پر شرک کا گمان بھی نہیں کرتے حالانکہ رب تعالیٰ کی تو دونوں صفات ہیں۔ حق یہ ہے کہ کوئی شخص بھی خود سے نہ علمِ غیب حاصل کر سکتا ہے نہ علمِ شہادت، جس کو جو علم بھی ملتا ہے وہ رب کی عطا سے ملتا ہے۔

صدرُ الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''اللہ تعالیٰ غیب وشہادت سب کو جانتا ہے۔ علمِ ذاتی اُس کا خاصہ ہے۔ علمِ ذاتی

کے یہ معنی ہیں کہ بغیر خدا کے دیے خود حاصل ہو۔ جو شخص علمِ ذاتی، خواہ غیب ہو یا ظاہر، غیر خدا کے لیے ثابت کرے، کافر ہے''۔ (بہارِ شریعت حصہ اول:۱۱)

سرکارِ دو عالم ﷺ کے علم کی وسعت کا اندازہ اس آیت مبارکہ سے کیجیے۔

﴿وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا﴾

''اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے''۔

(النساء:۱۱۳، کنزالایمان)

آقا و مولیٰ ﷺ کو تمام قرآن کریم کا علم دیا گیا، اور قرآن مجید کی صفت یہ ہے کہ:

﴿تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ﴾ ''یہ ہر چیز کا روشن بیان ہے''۔ (النحل:۸۹)

﴿مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ﴾ ''ہم نے اِس کتاب میں کچھ اُٹھا نہ رکھا'' (الانعام:۳۸) یعنی تمام علوم اور مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن کا اس میں بیان ہے۔

قرآن عظیم تقریباً ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا، اسی طرح حضور ﷺ کا علم بتدریج بڑھتا گیا حتیٰ کہ نزولِ قرآن کی تکمیل کے ساتھ آپ کا علم بھی مرتبۂ کمال کو پہنچ گیا۔ آپ تمام مخلوق کے رسول اور تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اس لیے ضروری ہوا کہ آپ کو تمام جہانوں کا مکمل علم حاصل ہو۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے حبیب کو اتنا علمِ غیب عطا کیا ہے کہ وہ نہ صرف خود غیب جانتے ہیں بلکہ اس دولت کو بانٹتے بھی ہیں۔ ارشاد فرمایا،

﴿وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ﴾

''اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں''۔ (التکویر:۲۴، کنزالایمان)

☆ حضور ﷺ کے علمِ غیب کی وسعت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿قَامَ فِیْنَا النَّبِیُّ مَقَاماً فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ مَنَازِلَھُمْ وَاَھْلُ النَّارِ مَنَازِلَھُمْ حَفِظَ ذٰلِکَ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ﴾

ہمارے درمیان نبی کریم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ نے ابتدائے تخلیق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں یہانتک کہ جنتیوں کے جنت میں جانے اور جہنمیوں کے جہنم میں جانے تک کی خبریں بیان فرما دیں۔ جس نے ان باتوں کو یاد رکھا، اُس نے یاد رکھا، اور جس نے بھلا دیا، اُس نے بھلا دیا۔ (بخاری کتاب بدءِ الخلق)

☆ بخاری و مسلم میں حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَقَاماً مَا تَرَکَ شَیْئًا یَکُوْنُ فِیْ مَقَامِہٖ ذٰلِکَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اِلَّا حَدَّثَ بِہٖ حَفِظَہٗ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ﴾

ایک مرتبہ رسولِ معظم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور آپ نے ایک خطبہ دیا اور آپ نے اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والے تمام اُمور بیان فرما دیے۔ جس نے ان باتوں کو یاد رکھا، اُس نے یاد رکھا، اور جس نے بھلا دیا، اُس نے بھلا دیا۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن، صحیح بخاری کتاب القدر)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا، کا علم عطا فرمایا ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں یہ بات مزید وضاحت سے بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

☆ ﴿صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الْفَجْرَ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الظُّھْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا کَانَ وَبِمَا ھُوَ کَائِنٌ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا﴾ (صحیح مسلم کتاب الفتن و اشراط الساعۃ)

''رسولِ معظم ﷺ نے ہمیں نمازِ فجر پڑھائی اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا یہانتک کہ ظہر کا وقت ہوگیا۔ آپ منبر سے اُترے اور ظہر پڑھائی پھر منبر پر رونق افروز ہو کر ہمیں خطبہ دیا یہانتک کہ عصر کا وقت ہوگیا۔ پھر آپ منبر سے اُترے

اورعصر پڑھائی پھرمنبر پر جلوہ افروز ہوکر خطبہ دیا یہانتک کہ سورج غروب ہوگیا۔آپ نے ہمیں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہونے والا تھا،ان سب باتوں کی یعنی مَا کَانَ وَمَایَکُوْن کی خبریں دیں۔ہم میں جوزیادہ حافظہ والا تھاوہ زیادہ علم والا تھا‘‘۔

☆ سرکارِدوعالم ﷺ کا یہ ارشاد پڑھیےاور یہ ذہن نشین رہے کہ آپ نے جس وقت یہ بات فرمائی اُسوقت قیصروکسرٰی کاراج عروج پر تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا،

﴿اِذَا هَلَکَ کِسْرٰی فَلاَ کِسْرٰی بَعْدَهٗ وَاِذَا هَلَکَ قَیْصَرُ فَلاَ قَیْصَرَ بَعْدَهٗ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَتُنْفِقُنَّ کُنُوْزَهُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾

’’جب کسرٰی (شاہِ ایران) ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسرٰی نہ ہوگا اور جب قیصر (شاہِ روم) ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے،ضرور تم ان دونوں کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے‘‘۔(صحیح بخاری کتاب المناقب)

☆ نبی کریم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور قیامت کا تذکرہ فرمایا۔پھرفرمایا،

﴿مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّسْئَلَ عَنْ شَیْءٍ فَلْیَسْئَلْ فَوَاللّٰهِ لاَ تَسْاَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلاَّ اَخْبَرْتُکُمْ بِهٖ مَا دُمْتُ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا. فَاَکْثَرَ النَّاسُ الْبُکَاءَ وَاَکْثَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ یَّقُوْلَ سَلُوْنِیْ فَقَامَ اِلَیْهِ رَجُلٌ فَقَالَ اَیْنَ مَدْخَلِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. قَالَ النَّارُ. فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ اَبِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَبُوْکَ حُذَافَةُ. ثُمَّ اَکْثَرَ اَنْ یَّقُوْلَ سَلُوْنِیْ سَلُوْنِی فَبَرَکَ عُمَرُ عَلٰی رُکْبَتَیْهِ فَقَالَ رَضِیْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلاَمِ دِیْناً وَّبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُوْلاً. فَسَکَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ﴾

جوشخص کسی چیز کے متعلق کوئی بات پوچھنا چاہے وہ ضرور پوچھ لے۔اللہ کی قسم!تم جس چیز کے متعلق بھی مجھ سے پوچھو گے میں جب تک اس مقام میں ہوں،تمہیں ضرور بتاؤں گا۔یہ سن کر (آپ کی ناراضگی کے خیال سے) لوگ بہت زیادہ رونے لگے۔حضور ﷺ نے بار بار یہ فرمایا،مجھ سے پوچھو۔

ایک شخص نے کھڑے ہوکر سوال کیا،یارسول اللہ!میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟آپ نے فرمایا،جہنم۔عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے عرض کی،یارسول اللہ!میرا باپ کون ہے؟ فرمایا،تیرا باپ حذافہ ہے۔پھر آپ نے بار بار فرمایا،مجھ سے پوچھو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کی،’’ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں‘‘۔پھر آقا کریم ﷺ نے سکوت فرمایا۔(صحیح بخاری کتاب الاعتصام)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو رب تعالیٰ نے تمام گذشتہ وآئندہ باتوں کا علم عطا فرمایا تھا۔سورۃ الانعام کی آیت ۵۰ میں جو ﴿لاَ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾ فرمایا گیا وہاں جمہور مفسرین کے نزدیک ذاتی علم کی نفی ہے ورنہ علمِ غیب کا عطا ہونا توکئی آیات سے ثابت ہے۔اگر ذاتی وعطائی علم کا فرق نہ کیا جائے تو قرآن میں اختلاف لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔پس اسکا معنٰی یہ ہے کہ ’’میں اَزخود غیب نہیں جانتا‘‘۔

(تفسیر ابن عباس،تفسیر کبیر،تفسیر قرطبی،تفسیر خازن،تفسیر مظہری،روح المعانی)

ایک اعتراض کا جواب:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی۔اگر رسولِ معظم ﷺ کو غیب کا علم تھا تو پریشان کیوں ہوئے اور ان کی براءت کا اعلان کیوں نہیں کیا؟

عرض یہ ہے کہ وحی نازل ہونے سے قبل بھی نبی کریم ﷺ کو اپنی زوجہ کی پاکیزگی کا علم تھا اسی لیے آپ نے حلفیہ فرمایا تھا، ﴿وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَهْلِیْ اِلاَّ خَیْرًا وَّلَقَدْ ذَکَرُوْا رَجُلاً مَا عَلِمْتُ عَلَیْهِ اِلاَّ خَیْرًا﴾ (بخاری کتاب المغازی)

’’اللہ کی قسم!میں اپنی زوجہ میں پاکیزگی کے سوا کچھ نہیں دیکھتا،اور جس شخص کے ساتھ تہمت لگائی گئی ہے میں اس میں بھی پاکیزگی ہی دیکھتا ہوں‘‘۔

آپ ﷺ کے پریشان ہونے کی ایک وجہ یہ تھی کہ ایک بے گناہ پر تہمت لگی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ تہمت لگانے میں منافقین کے بہکانے سے بعض سادہ لوح مسلمان بھی شامل ہو گئے تھے۔ اگر حضور ﷺ اپنی زوجہ کی برأت خود بیان فرماتے تو جو مسلمان آپ کے متعلق بدگمانی کرتے وہ کافر ہو جاتے۔

تیسری بات یہ کہ اگر کسی عزت دار شخص کی بیوی پر کمینے لوگ تہمت لگائیں تو کیا وہ پریشان نہیں ہوگا؟ یہ پریشانی تو فطری بات ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ حضور اگر اُن کی برأت کا اعلان فرماتے تو آپ کی بات حدیث بنتی اور وقت گزرنے کے ساتھ بد مذہب لوگ راویوں کو ضعیف قرار دیکر اُمُّ المؤمنین کی پاکیزگی پر انگلیاں اُٹھاتے۔ آپ خاموش رہے کیونکہ آپ کو علم تھا اللہ تعالیٰ قرآن عظیم میں ان کی پاکیزگی بیان فرما کر منافقوں کو رُسوا کرے گا۔

چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی مذمت میں اٹھارہ آیات نازل ہوئیں۔ مفسرین فرماتے ہیں، ان منافقوں کی بت پرستوں سے زیادہ مذمت کی گئی اور یہ صرف حبیبِ کبریا ﷺ کی عظمت اور بلند شان کی وجہ سے ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ منافقین تعلیم و تبلیغ کے لیے حضور سے ستر (۷۰) صحابہ کو ساتھ لے گئے اور بئر معونہ کے مقام پر ان صحابہ کو شہید کر دیا۔ اعتراض یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کو علم غیب ہوتا تو وہ ان ستر صحابہ کو شہید نہ کرواتے۔

حضور ﷺ کو خبر تھی کہ یہ منافق ان صحابہ کو شہید کر دیں گے اور یہ بھی خبر تھی کہ ان کی شہادت کا وقت آ گیا ہے نیز اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ ان کی شہادت اس طرح ہو، اس لیے آپ رب کی رضا پر راضی رہے۔ بالفرض اگر حضور ﷺ کو علم نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کو تو یقیناً علم تھا کہ منافق انہیں شہید کر دیں گے، اُس نے وحی کے ذریعے منع کیوں نہ فرما دیا؟ جواب یہی ہے کہ اللہ کو یہی منظور تھا۔ رضائے الٰہی کی خاطر ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے پر چھری چلا دی اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں اپنی جان اور اولاد قربان

کر دی۔ رب تعالیٰ حضور ﷺ کی عظمت سمجھنا آسان فرمائے، آمین۔

ایمان یا منافقت؟

قرآن کریم نے منافقوں کی ایک اہم نشانی یہ بتائی ہے کہ جب اُنہیں قرآن اور رسول کی طرف بلایا جائے تو وہ قرآن سے منہ نہیں موڑتے مگر رسول کریم ﷺ سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ گویا رسولِ معظم ﷺ کی عظمت کو ماننا ان پر گراں ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا،

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (المنافقون:۵)

’’اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ! رسول اللہ ﷺ تمہارے لیے معافی چاہیں، تو اپنے سر گھماتے ہیں اور تم انہیں دیکھو کہ غرور کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں‘‘۔

دوسری جگہ فرمایا، ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾

’’اور جب اُن سے کہا جائے کہ اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں‘‘۔ (النساء:۶۱، کنز الایمان)

رحمتِ عالم ﷺ کی عظمت کو ماننا نفاق کے مریضوں پر بڑا گراں ہوتا ہے۔ یہ ہر دور میں اعتقادی نفاق کی اہم علامت رہی ہے جبکہ عملی نفاق کی علامات حدیث پاک میں ’’جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی اور خیانت‘‘ بیان ہوئی ہیں۔ بلاشبہ نبی کریم ﷺ کی شان اور عظمت کو دل سے ماننا اور آپ سے محبت کرنا ایمان کی اصل ہے۔

غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے،

﴿لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ (بخاری کتاب الایمان)

’’تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُسے، اُس کے والدین، اُس

کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں''۔

منافقوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو عام مسلمان تو درکنار، اللہ کے نبی ﷺ پر شرک کا الزام لگانے میں حیا نہیں کرتے۔ بعض لوگوں کو کہتے سنا کہ حضور ﷺ کی محبت اللہ کی محبت اور ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ تو شرک ہے۔(معاذ اللہ)

سورۃ النساء کی آیت ۸۰ کے تحت امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿اَنَّ النَّبِیَّ کَانَ یَقُوْلُ :مَنْ اَحَبَّنِیْ فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰہَ وَمَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ.فَقَالَ الْمُنَافِقُوْنَ: لَقَدْ قَارَبَ ھٰذَا الرَّجُلُ الشِّرْکَ وَھُوَ اَنْ یَّنْھٰی اَنْ نَعْبُدَ غَیْرَ اللّٰہِ وَیُرِیْدُ اَنْ نَتَّخِذَہٗ رَبًّا کَمَا اتَّخَذَتِ النَّصٰرٰی عِیْسٰی فَاَنْزَلَ اللّٰہُ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ﴾

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا، جس نے مجھ سے محبت کی اُس نے اللہ سے محبت کی اور جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اس پر منافقوں نے کہا، یہ صاحب یعنی نبی ﷺ شرک کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ یہ ہمیں تو منع کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور خود چاہتے ہیں کہ ہم انہیں رب مان لیں، جیسا کہ عیسائیوں نے عیسٰی علیہ السلام کو خدا مان لیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(تفسیر کبیر)

1۔ ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾

''جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اُس نے اللہ کا حکم مانا''۔(النساء:۸۰)

ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب بندوں کا معاملہ الگ الگ نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کے بعض افعال کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام پر دَم کیا جس سے وہ حاملہ ہوئیں، رب تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔

2۔ ﴿فَنَفَخْنَا فِیْھَا مِنْ رُّوْحِنَا﴾

''تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی''۔(الانبیاء:۹۱، کنزالایمان)

یوں ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے قرآن پڑھنے کو اپنا پڑھنا قرار دیا۔ رب کریم نے ارشاد فرمایا،

3۔ ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ﴾ (القیامۃ:۱۸)

''تو جب ہم اُسے پڑھ چکیں، اُس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو''۔

قرآن عظیم میں مذکورہ دو آیات ہیں جن میں حضرت جبریل علیہ السلام کے فعل کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے جبکہ ہمارے آقا و مولیٰ حبیبِ کبریا ﷺ کے متعلق کثیر آیات ہیں جن میں اللہ عزوجل نے ان کے فعل کو اپنا فعل فرمایا ہے۔

قرآن اور شانِ محبوبیت:

استاذی و مرشدی حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری جیلانی زیدمجدہٗ رقم طراز ہیں، قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کا معاملہ جدا جدا نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔ چند آیات ملاحظہ کیجیے۔

4۔ ﴿وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً مُّبِیْنًا﴾ (الاحزاب:۳۶)

''اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اُس کے رسول کا، وہ بیشک صریح گمراہی بہکا''۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

5۔ غزوۂ بدر میں حضور ﷺ نے کفار کی طرف خاک پھینکی۔ اسکے متعلق ارشاد ہوا،

﴿وَمَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی﴾

''تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا، اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی''۔(الانفال:۱۷)

معلوم ہوا کہ رسولِ معظم ﷺ کا خاک پھینکنا اللہ تعالیٰ کا خاک پھینکنا ہے۔

6۔ نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر حدیبیہ میں صحابہ نے جو بیعت کی تھی اُسے بیعتِ

رضوان کہتے ہیں۔اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ﴾ (الفتح:۱۰)

’’بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں‘‘۔

معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ کی بیعت اللہ تعالیٰ ہی کی بیعت ہے۔

7۔صحابہ کرام کے ہاتھوں پر نبی کریم ﷺ کا ہاتھ تھا مگر رب تعالیٰ نے فرمایا،

﴿یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ﴾ ’’ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے‘‘۔(الفتح:۱۰)

اس آیت میں حضور ﷺ کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت قرار دیا۔

8۔﴿وَلَوۡ اَنَّہُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ﴾ (التوبۃ:۵۹)

’’اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ ورسول نے ان کو دیا‘‘۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا عطا فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کا عطا فرمانا ہے۔

9۔﴿وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰیo اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی﴾

’’اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے‘‘۔(النجم:۳،۴، کنزالایمان)

معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ کا کلام فرمانا اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا ہے۔

10۔﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ﴾

’’اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو‘‘۔(الحجرات:۱)

اللہ تعالیٰ سے آگے بڑھنا تو ممکن نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ حضورِ انور ﷺ پر سبقت اللہ تعالیٰ پر سبقت ہے۔

11۔﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوۡلِ﴾

’’اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو‘‘۔(الانفال:۲۴)

اللہ تعالیٰ تو کسی کو آواز دینے اور بلانے سے پاک ہے پس ثابت ہوا کہ سرکارِ

دوعالم ﷺ کا بلانا اللہ تعالیٰ ہی کا بلانا ہے۔

12۔﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ قُلۡ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوۡلِہٖ کُنۡتُمۡ تَسۡتَہۡزِءُوۡنَ﴾

’’اور اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے۔ تم فرماؤ! کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اُس کے رسول سے ہنستے ہو‘‘۔(التوبۃ:۶۵)

ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کا مذاق اُڑانا اللہ تعالیٰ کا مذاق اُڑانا ہے۔

13۔﴿یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾

’’فریب دینا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو‘‘۔(البقرۃ:۹)

﴿یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ﴾ کا ترجمہ ہے ’’فریب دیتے ہیں اللہ کو‘‘ جو کہ محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ علّامُ الغیوب ہے۔منافقین تو رسول معظم ﷺ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تھے۔پس معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو دھوکہ دینا دراصل اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ہے۔

14۔﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ﴾

’’بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کو، اُن پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں‘‘۔(الاحزاب:۵۷)

اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا تو ممکن نہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ آقائے دوجہاں، رسولِ معظم ﷺ کو اذیت دینا اللہ تعالیٰ کو اذیت دینا ہے۔

15۔﴿اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَاَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ﴾

’’بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے جان اور مال خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے‘‘۔(التوبۃ:۱۱۱)

نبی کریم ﷺ نے ستر انصارِ مدینہ سے جنت کے عوض ان کے جان و مال خرید لیے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے خریدنے کو اپنا خریدنا قرار دے دیا۔

16۔﴿وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَاحَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ﴾

''اور (اہلِ کتاب) حرام نہیں مانتے اُس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اُس کے رسول نے''۔(التوبۃ:۲۹)

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا حرام فرمایا ہوا اللہ تعالیٰ کا حرام فرمایا ہوا ہے۔

17۔﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ﴾

''اور اُنہیں کیا برا لگا، یہی نا کہ اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کردیا''۔
(التوبۃ:۷۴، کنزالایمان)

قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دو کا ذکر ہے اور ﴿مِنْ فَضْلِہٖ﴾ میں ضمیر واحد مذکور ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسولِ کریم ﷺ کا غنی فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کا غنی فرمانا ہے اور اللہ و رسول ﷺ دونوں کا فضل ایک ہی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیت میں اللہ اور رسول دونوں کی رضا کو ضمیر واحد ﴿یُرْضُوْہُ﴾ سے بیان کیا گیا ہے۔

18۔﴿وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ (التوبۃ:۶۲)

''اور اللہ و رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے، اگر ایمان رکھتے تھے''۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی رضامندی اللہ تعالیٰ ہی کی رضامندی ہے۔

19۔﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْلَھُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَاللّٰہُ لَھُمْ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾

''اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو بھی اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا، یہ اس لیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہوئے''۔(التوبۃ:۸۰)

جب منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی کو صحابہ نے اس کے نفاق پر ملامت کی تو وہ غصہ میں نماز پڑھے بغیر مسجد سے نکل گیا۔ کسی نے کہا، بارگاہ نبوی سے منہ نہ موڑو بلکہ حضور ﷺ سے مغفرت کے لیے عرض کرو۔ وہ بد بخت بولا، مجھے کوئی پروا نہیں کہ وہ میری

مغفرت کی دعا مانگیں یا نہیں۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ اے حبیب! اگر تم منافقوں کے لیے ستر بار بھی معافی چاہو گے تو اللہ معاف نہیں کرے گا کیونکہ انہوں نے تمہاری دعا سے خود منہ موڑ لیا ہے۔ ثابت ہوا کہ رسول ﷺ کا انکار، اللہ کا انکار ہے۔ (تفسیر کبیر)

20۔﴿وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ﴾

''اور اب اللہ و رسول تمہارے کام دیکھیں گے''۔(التوبۃ:۹۴)

اس آیت میں فعل ایک ہے مگر فاعل دو ہیں ایک اللہ تعالیٰ اور دوسرے رسول ﷺ۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول ﷺ کا دیکھنا، اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ہے۔

21۔﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰیo فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی﴾

''پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب اُتر آیا، تو اُس جلوے اور اُس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم''۔(النجم:۸،۹، کنزالایمان)

معراج کی شب نبی کریم ﷺ اپنے رب کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ عرب میں رواج تھا کہ دو سردار جب آپس میں معاہدہ کرتے تو دونوں اپنی کمانوں کو ملاتے۔ یہ اس بات کا اعلان ہوتا کہ اب ہمارے ہتھیار ایک ہیں اس لیے ایک پر حملہ دونوں پر حملہ تصور ہوگا۔ (تفسیر کبیر)

اس کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو انتہائی قرب عطا کیا حتیٰ کہ دونوں کا معاملہ ایک ہوگیا۔ اب حضور ﷺ سے صلح، رب سے صلح اور حضور ﷺ کی مخالفت، رب کی مخالفت ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ سے محبت اللہ تعالیٰ سے محبت اور نبی کریم ﷺ سے عداوت اللہ تعالیٰ سے عداوت ہے۔

بمصطفی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

☆☆☆☆

﴾......باب چہارم......﴿

ندائے یا رسول اللہ ﷺ:

صحابہ کرام اور صالحین حاجت روائی کے لیے روضۂ اقدس سے توسل کرتے اور آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو کر فریاد کیا کرتے اور جو دُوری کے باعث حاضر نہ ہو سکتے وہ دور ہی سے آقا کریم ﷺ کو محبت سے ندا کر کے رحمت طلب کیا کرتے، صالحین کا آج تک یہی معمول چلا آرہا ہے۔

بعض کم فہم اِسے بھی شرک کہتے ہیں حالانکہ نبی کریم ﷺ نے خود صحابہ کو ''یارسول اللہ'' پکارنے اور اپنی ذاتِ اقدس کے وسیلے سے دعا مانگنے کی تعلیم دی ہے۔

☆ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی، رحمتِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی، ''یارسول اللہ ﷺ! آپ اللہ تعالیٰ سے میری بینائی کے لیے دعا فرمائیے''۔ آپ نے فرمایا، تم چاہو تو صبر کرو اور چاہو تو میں دعا کروں۔ اس نے عرض کی، آپ دعا فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا، تم اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا کرو،

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ. یَامُحَمَّدُ ﷺ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ. اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ.﴾

''اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے جو رحمت والے نبی ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کے دربار میں اسلیے متوجہ ہوا ہوں تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔ یااللہ! حضور ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما''۔

جب اس نابینا صحابی رضی اللہ عنہ نے بعد نماز یہ دعا کی (جس میں ''یارسول اللہ ﷺ''

کی ندا موجود ہے) تو اسکی آنکھیں روشن ہوگئیں اور خدا کی قسم! وہ ہمارے پاس اس طرح آیا جیسے کہ وہ کبھی نابینا ہی نہ تھا۔

(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی، طبرانی، ابن خزیمہ)

امام ترمذی، امام بیہقی، امام ابن خزیمہ اور امام ذہبی نے فرمایا ''اس حدیث کی سند صحیح ہے''۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (خصائص کبریٰ ج۲ ص۲۰۱)

اس حدیثِ مبارکہ سے دو اہم باتیں واضح ہوئیں۔

اول:...... یہ کہ نبی کریم ﷺ کا خود یہ عقیدہ ہے کہ مجھے بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے اس لیے انھوں نے اپنا وسیلہ اختیار کرنے کی تعلیم دی۔

دوم:...... یہ کہ ''یارسول اللہ ﷺ'' پکارنے کی تعلیم خود آقا و مولیٰ ﷺ نے دی ہے اور صحابہ حرف ''یا'' کے ساتھ حضور ﷺ کو پکارتے تھے۔ لہٰذا ''ندائے یارسول اللہ ﷺ'' ہرگز شرک نہیں بلکہ آقا و مولیٰ ﷺ کے حکم کی تعمیل اور صحابہ کرام کی سنت ہے۔

صحابہ و تابعین کا عمل:

استاذی و مرشدی حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ نے حضورِ اکرم ﷺ کے وصالِ ظاہری کے بعد آپ کو پکارنے اور وسیلہ بنانے کے متعلق ایک اور حدیث بھی بیان کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

☆ ایک شخص کسی ضرورت کے لیے بار بار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جاتا لیکن وہ توجہ نہ فرماتے۔ اس شخص کی ملاقات حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس نے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا، تم وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کرو پھر یہ دعا مانگو،

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ. یَامُحَمَّدُ ﷺ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی

لِیْ. اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ. ﴾

’’اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے جو رحمت والے نبی ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کے دربار میں اس لیے متوجہ ہوا ہوں کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔ یااللہ! حضور کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما‘‘۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا تو دربان اس کا ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور اس کی حاجت پوچھی، اس نے اپنی ضرورت کا ذکر کیا تو آپ نے اس کی ضرورت پوری کردی اور فرمایا، جب بھی تمہیں کوئی حاجت پیش آئے میرے پاس آجانا۔

وہ شخص وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے، اگر آپ امیر المومنین سے میرے بارے میں بات نہ کرتے تو وہ کبھی میری طرف متوجہ نہ ہوتے اور میری حاجت پوری نہ کرتے۔

انہوں نے جواب میں فرمایا،

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے امیر المومنین سے کوئی گفتگو نہیں کی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک نابینا شخص خدمتِ اقدس میں آیا اور بینائی کے لیے دعا کی درخواست کی تو آقا و مولیٰ ﷺ نے اسے یہی طریقہ اور یہی دعا تعلیم فرمائی (جو کہ مذکور ہو چکی) اور خدا کی قسم ابھی ہم وہاں سے اٹھے بھی نہیں تھے کہ وہ نابینا شخص ہمارے پاس ایسے آیا کہ گویا وہ نابینا ہی نہ تھا۔

امام طبرانی اور امام ہیثمی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(معجم الصغیر للطبرانی ج ا ص ۱۸۳، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷۹)

شارحین فرماتے ہیں کہ جب اس شخص نے یہ خیال ظاہر کیا کہ شاید اس کی حاجت

کے سلسلے میں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سے کوئی بات کی ہے تو صحابیِ رسول نے اسکے خیال کو غلط قرار دیتے ہوئے فوراً وہ حدیث بیان فرمائی جس میں انکے سامنے ایک نابینا صحابی کو آنکھیں مل گئی تھیں تاکہ اس پر یہ واضح ہو جائے کہ اسکی حاجت حضور ﷺ کا وسیلہ اختیار کرنے، انکو پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کی وجہ سے پوری ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے وسیلے سے حاجت جلد پوری فرماتا ہے۔

الحمد للہ! اہلسنت کا عقیدہ صحابہ کرام کے عقیدے کے عین مطابق ہے۔ یقیناً ہمارے لیے بدمذہبوں کے گمراہ کُن نظریات کے مقابلے میں صحابہ کرام کے طریقہ کی پیروی ہی بہتر ہے۔ مذکورہ حدیث کو اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی اپنی مشہور کتاب نشر الطیب میں صفحہ ۳۰۳ پر تحریر کیا ہے۔

☆ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سُن ہو گیا۔ کسی نے کہا، انہیں یاد کیجیے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ انہوں نے باآوازِ بلند کہا، یا محمداہ ﷺ۔ تو ان کا پاؤں فوراً صحیح ہو گیا۔ (الادب المفرد ص ۲۵۰)

اس حدیث کے تمام راویوں کو ائمہ حدیث نے ثِقہ قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو امام قاضی عیاض نے کتابُ الشفا میں، علامہ جزری نے حصن حصین میں اور امام نووی رحمہم اللہ نے بھی کتاب الاذکار میں نقل کیا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسولِ معظم ﷺ کو محبت سے حرف ’’یا‘‘ کے ساتھ پکارنا جائز ہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سنت ہے۔

☆ علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

﴿ھٰذا مِمَّا تَعَاھَدَہٗ اَھْلُ الْمَدِیْنَةِ وَوَقَعَ مِثْلَهٗ لِابْنِ عَبَاسٍ رضی الله عنهما ﴾

’’اہلِ مدینہ میں ایسا کہنے یعنی یارسول اللہ ﷺ پکارنے کا رواج عام تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا ہے‘‘۔

(نسیم الریاض شرح شفاءِ قاضی عیاض ج ۳ ص ۳۵۵)

☆ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ، شارح مسلم فرماتے ہیں،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی محفل میں کسی آدمی کا پاؤں سُن ہو گیا تو آپ نے اسے فرمایا، اس کو یاد کرو جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس نے کہا، یا محمداہ ﷺ! اسی وقت اس کا پاؤں صحیح ہو گیا۔ (کتاب الاذکار ص ۱۳۵)

اگر رحمتِ عالم ﷺ کو ان کے وصال کے بعد پکارنا شرک ہوتا تو نہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کو پکارتے اور نہ ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے۔ نیز کسی صحابی نے بھی اس پر انکار نہ کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ ''ندائے یارسول اللہ ﷺ'' کے جواز پر تمام صحابہ کرام کا اتفاق تھا۔

☆ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ہمراہ جب جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے لشکر سے برسرِ پیکار تھے، نہایت گھمسان کا معرکہ تھا، اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی مشکل حالت دیکھی تو،

﴿نَادٰی بِشِعَارِ الْمُسْلِمِیْنَ وَکَانَ شَعَارُھُمْ یَوْمَئِذٍ یَامُحَمَّدَاہُ﴾

''مسلمانوں کے شعار کے مطابق ندا کی، اُس دن مسلمانوں کا معمول یہ نعرہ تھا، یا محمداہ ﷺ۔ یارسول اللہ ﷺ! مدد فرمایئے''۔ اس پر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۱، تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۴۶، تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۰)

علامہ ابن کثیر اور حافظ ابن اثیر رحمہما اللہ کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام آپ کو حرف ''یا'' کے ساتھ پکارا کرتے تھے اور مشکل و مصیبت کے وقت آپ ﷺ سے مدد مانگا کرتے تھے۔

☆ حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے ساتھ جب شام کے شہر حلب کی فتح کے لیے لڑ رہے تھے اور دشمن کے ساتھ سخت مقابلہ ہو رہا تھا تو آپ کی زبان پر یہ ندا تھی،

﴿یَا مُحَمَّد یَا مُحَمَّد یَا نَصرَ اللّٰہِ اِنْزِلْ﴾

''یا رسول اللہ ﷺ! کرم فرمایئے، اے اللہ کی مدد نازل ہو''۔ تھوڑی دیر بعد مسلمانوں کو دشمن پر فتح حاصل ہوئی۔ (فتوح الشام ج ۱ ص ۱۹۲)

خیال رہے کہ یہ جنگیں اسوقت ہوئیں جب رسولِ اکرم ﷺ کا وصال ہو چکا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ وتابعین مشکل وقت میں ''یارسول اللہ ﷺ'' پکار کر اپنے آقا ومولیٰ ﷺ سے توسل اور استعانت کرتے تھے۔

دور سے سننا شرک کیسے؟

''یارسول اللہ ﷺ'' پکارنا صحابہ کرام اور تابعین سے لیکر آج تک ساری امت کا معمول رہا ہے۔ بعض لوگ حرف ''یا'' کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو پکارنے کو شرک گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''یا'' کہہ کر اسے پکارا جائے جو سنتا ہو، نیز دُور سے سننا تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ دُور سے سننا ہرگز اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں کیونکہ وہ ہر بندے کے قریب ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے،

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ﴾

''اور جب تم سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو (فرماؤ) میں نزدیک ہوں، دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے''۔ (البقرۃ: ۱۸۶)

مزید ارشاد ہوا، ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾

''اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں''۔ (ق: ۱۶)

ایک اور جگہ فرمایا، ﴿وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ﴾

''اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں ہو''۔ (الحدید: ۴)

ان آیات سے ثابت ہوا کہ دُور سے سننا ہرگز اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں، اللہ تعالیٰ تو

شہ رگ سے بھی زیادہ قریب سے سنتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کے لیے دور سے سننے کی صفت ماننا کسی صورت شرک نہیں ہوسکتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ کے لیے یہ صفت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

اسی بناء پر اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے جسمِ اقدس کے ساتھ روضۂ انور میں حقیقی طور پر زندہ ہیں اور ساری کائنات کو ملاحظہ فرما رہے ہیں، دور ونزدیک کی آوازیں یکساں سنتے ہیں اور جہاں چاہیں اپنے جسم اقدس کے ساتھ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ اسے عقیدہ حاضر وناظر بھی کہا جاتا ہے۔

[اس کی تفصیل کے لیے علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمہ اللہ کی کتاب ''تسکین الخواطر'' یا علامہ سید شاہ تراب الحق قادری حفظہ اللہ کی کتاب ''مزاراتِ اولیاء اور توسل'' ملاحظہ فرمائیں]

عقیدہ حاضر وناظر کی تائید میں چند آیات واحادیث پیشِ خدمت ہیں۔

قرآن مجید سے پہلی دلیل:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا﴾

''بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر''۔ (الاحزاب:۴۵، الفتح:۹)

اس آیت کی تفسیر میں جلیل القدر مفسرین فرماتے ہیں،

''جن کی طرف آپ کو رسول بنا کر بھیجا، آپ کو ان کے احوال کا مشاہدہ کرنے والا بنایا''۔ (تفسیر جلالین، تفسیر ابوالسعود)

''مفسرین فرماتے ہیں کہ شاھِدًا کا معنی یہ ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت کے افعال کا مشاہدہ فرماتے ہیں''۔ (تفسیر کبیر)

''جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا آپ ان پر شاہد ہیں کیونکہ آپ ان کے احوال ملاحظہ فرماتے ہیں اور انکے اعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں''۔ (روح المعانی)

مفرداتِ راغب میں ہے، ﴿اَلشُّهُوۡدُ وَالشَّهَادَةُ الۡحُضُوۡرُ مَعَ الۡمُشَاهَدَةِ اِمَّا

بِالۡبَصَرِ اَوۡ بِالۡبَصِيۡرَةِ﴾ یعنی ''شہود اور شہادت کے معنی ہیں حاضر ہونا مع ناظر ہونے کے، بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ساتھ''۔

گواہ کو بھی اس لیے شاہد کہتے ہیں کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتا ہے''۔ (خزائن العرفان)

☆ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا، ''جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو کیونکہ وہ یوم مشہود ہے۔ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

﴿لَيۡسَ مِنۡ عَبۡدٍ يُصَلِّيۡ عَلَيَّ اِلَّا بَلَغَنِيۡ صَوۡتُهٗ حَيۡثُ كَانَ، قُلۡنَا وَبَعۡدَ وَفَاتِكَ، قَالَ وَبَعۡدَ وَفَاتِيۡ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الۡاَرۡضِ اَنۡ تَاۡكُلَ اَجۡسَادَ الۡاَنۡبِيَاءِ﴾

''کوئی بندہ جہاں بھی درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے''۔ ہم نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ کے وصال کے بعد بھی؟

فرمایا ''ہاں میرے وصال کے بعد بھی کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاءِ کرام کے جسموں کو کھائے''۔

اس حدیث کو امام منذری نے الترغیب میں ذکر کیا اور فرمایا کہ اسے امام ابن ماجہ نے جید سند کے ساتھ روایت کیا۔ (معجم کبیر طبرانی، جلاء الافہام ص ۶۳)

''جلاء الافہام'' کی اس حدیث کی سند پر تفصیلی گفتگو آگے ملاحظہ فرمائیے۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا،

☆ ﴿صَلُّوۡا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمۡ تَبۡلُغُنِيۡ حَيۡثُ كُنۡتُمۡ﴾

''مجھ پر درود بھیجا کرو، تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو''۔ (نسائی)

☆ نورِ مجسم ﷺ نے یہ بھی فرمایا،

﴿مَا مِنۡ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوۡحِيۡ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيۡهِ السَّلَامَ﴾

''جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے (یعنی

میری توجہ سلام بھیجنے والے کی طرف ہو جاتی ہے) اور میں اُسے اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں‘‘۔ (مسند احمد، ابوداؤد، بیہقی فی شعب الایمان)

امام نووی اور امام ابن حجر رحمہما اللہ نے فرمایا، اس کی سند صحیح ہے۔

(کتاب الاذکار، فتح الباری)

سابقہ تبلیغی نصاب میں شامل فضائل درود شریف کے صفحہ ۱۹ پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث موجود ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا،

☆ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجے گا وہ فرشتہ مجھ کو اس کا نام اور اس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا رہے گا کہ فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ (طبرانی فی الکبیر، ابن حبان، القول البدیع)

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو مختلف الفاظ سے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ مقامِ غور ہے کہ بارگاہِ نبوی کے اس خادم فرشتے کو حاضر وناظر ماننے اور اس کے تمام مخلوق کی آوازیں سننے میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں، نہ ہی یہاں کسی کو کوئی شرک نظر آتا ہے۔ لیکن جب حبیبِ کبریا ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھنے اور حضور ﷺ کے درود وسلام سننے کی بات آتی ہے تو لوگوں کو شرک یاد آجاتا ہے۔ آخر کیوں؟

صرف یہی نہیں بلکہ لوگ شیطان مردود کی طاقت وقدرت کو بھی مانتے ہیں کہ وہ سب لوگوں کو دیکھتا ہے، ہمارے دلوں میں نیکی کے خیال کو جان لیتا ہے اور ایک ہی وقت میں سب کے ذہنوں میں برائی کا خیال پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ شیطان کی طاقت ماننے کے لیے قرآن سے دلیل نکالنے میں کوئی مشکل بھی نہیں ہوتی۔

﴿اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ (الاعراف: ۲۷)

’’بیشک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے‘‘۔

کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ شیطان کو ’’حاضر وناظر‘‘ ماننے سے توحید کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو، اس کی سماعت، بصارت، طاقت اور قدرت ماننا شرک نہ ہو لیکن آقا ومولیٰ ﷺ کی سماعت وبصارت اور طاقت وقدرت کا ذکر ہو تو شرک یاد آجائے!!

بقول استاذی ومرشدی حضرت شاہ صاحب، ’’جب ایک فرشتے میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ساری مخلوق کی آوازیں سنتا ہے اور ان کے نام مع ولدیت جانتا ہے تو حبیبِ کبریا احمدِ مختار ﷺ کا کتنا اعلیٰ مقام ہوگا!‘‘۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ کی عظمت کو سمجھنے اور دل سے ماننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

قرآن مجید سے دوسری دلیل:

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

’’اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ‘‘۔ (البقرۃ: ۱۴۳، کنز الایمان)

اس کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حقی، تفسیر روح البیان میں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہما اللہ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں،

’’رسول تم پر گواہ ہیں کیونکہ وہ نورِ نبوت سے ہر دیندار کے درجے کو جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کون سا حجاب اس کی دین میں ترقی میں رکاوٹ ہے۔ پس حضور ﷺ تمہارے گناہوں کو، تمہارے ایمان کے درجات کو، تمہارے نیک وبد اعمال کو اور تمہارے اخلاص ونفاق کو اچھی طرح جانتے ہیں‘‘۔

شارح بخاری امام قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهٖ وَحَيَاتِهٖ فِيْ مُشَاهَدَتِهٖ لِاُمَّتِهٖ وَمَعْرِفَتِهٖ بِاَحْوَالِهِمْ وَنِيَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذٰلِكَ عِنْدَهٗ جَلِيٌّ﴾

’’آقا ومولیٰ ﷺ کی حیات اور وفات میں کوئی فرق نہیں کہ آپ اپنی امت کو ملاحظہ فرما رہے ہیں، ان کے احوال، نیتوں، ارادوں اور دل کے خیالات کو بھی جانتے

ہیں،اور یہ سب کچھ آپ ﷺ پر بالکل ظاہر ہے''۔(مواہب الدنیہ ج ۲:۳۸۷)

اکابر محدثین کے یہ اقوال قرآنی آیات اور احادیثِ صحیحہ سے اخذ کردہ ہیں۔صحیح اسناد سے مروی چند احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے۔

☆ ﴿اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا﴾(صحیح مسلم،کتاب الفتن)

''بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو سمیٹ دیا ہے تو میں نے اس کے مشرق کے تمام حصوں اور مغرب کے تمام حصوں کو دیکھ لیا''۔

☆ ﴿اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ السَّمَآءَ اَطَّتْ وَحُقَّ لَھَا اَنْ تَئِطَّ مَا فِیْھَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَکٌ وَاضِعٌ جَبْھَتَہٗ سَاجِدًا لِلّٰہِ﴾

''بیشک میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔آسمان سے چرچراہٹ کی آواز نکل رہی ہے کیونکہ اس میں بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدے کی حالت میں نہ ہو''۔

(مسند احمد،ترمذی،ابن ماجہ،مشکوٰۃ)

یعنی نورِ مجسم ﷺ کی سماعت وبصارت عام انسانوں جیسی نہیں۔جب آپ ﷺ مدینہ منورہ سے آسمان کی چرچراہٹ بھی سن لیتے ہیں اور اس کے ہر حصے پر سجدہ کرنے والے فرشتوں کو بھی دیکھ لیتے ہیں تو ہم غلاموں کا درود وسلام سننا اور ہمارے احوال دیکھ لینا آپ ﷺ کے لیے کیا مشکل ہے۔

صحیح بخاری سے چند احادیث پڑھیے اور ایمان تازہ کیجیے۔

☆ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا،اے بلال!تم نے اسلام لانے کے بعد کون سا ایسا عمل کیا جس پر ثواب کی امید سب سے زیادہ ہو،مجھے بتاؤ کیونکہ::

﴿فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْکَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّۃِ﴾

''میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے سنی ہے''۔

انہوں نے عرض کی، میں دن رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو نماز(تحیۃ الوضو)پڑھتا ہوں۔(باب فضل الطھور باللیل والنھار)

جب آقا ومولیٰ ﷺ مدینہ طیبہ میں چلنے والے اپنے صحابی کی آواز جنت میں سن لیتے ہیں تو ہم غلاموں کا درود وسلام اپنے روضۂ اقدس میں کیوں نہیں سن سکتے۔

☆ بخاری شریف ہی میں ہے کہ جب مُوتہ میں جنگ ہو رہی تھی تو سرکارِ دوعالم ﷺ مدینہ منورہ میں اس کا آنکھوں دیکھا حال بیان فرما رہے تھے۔

﴿اَخَذَ الرَّایَۃَ زَیْدٌ فَاُصِیْبَ ثُمَّ اَخَذَ جَعْفَرٌ فَاُصِیْبَ ثُمَّ اَخَذَ ابْنُ رَوَاحَۃَ فَاُصِیْبَ وَعَیْنَاہُ تَذْرِفَانِ حَتّٰی اَخَذَ الرایَۃَ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ حَتّٰی فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ﴾

''جھنڈا زید نے اُٹھایا اور شہید کر دیے گئے پھر جھنڈا جعفر نے اُٹھایا اور شہید کر دیے گئے پھر جھنڈا ابن رواحہ نے سنبھالا اور وہ شہید کر دیے گئے۔آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار یعنی خالد بن ولید نے اٹھایا اور اللہ نے انہیں فتح عطا فرمائی''۔(کتاب المغازی)

☆ ﴿اَنَا شَھِیْدٌ عَلَیْکُمْ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِی الْاٰنَ﴾

''میں تم پر گواہ ہوں اور میں اللہ کی قسم!میں اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں''۔

(باب الصلوٰۃ علی الشھید)

مقامِ غور ہے کہ رسولِ معظم ﷺ مدینے میں کھڑے ہوں اور ساتوں آسمانوں سے اوپر جنت میں حوضِ کوثر کو ملاحظہ فرما رہے ہوں، وہ مدینہ منورہ سے یہاں ہم غلاموں کو کیوں ملاحظہ نہیں فرما سکتے!!!

☆ ﴿مَا مِنْ شَیْءٍ لَمْ اَکُنْ اُرِیْتُہٗ اِلَّا رَاَیْتُہٗ فِیْ مَقَامِیْ حَتَّی الْجَنَّۃُ وَالنَّارُ﴾

''میں نے اس جگہ سے ہر وہ چیز دیکھ لی جو اَب تک نہیں دیکھی تھی یہاں تک کہ جنت اور دوزخ بھی''۔(بخاری کتاب العلم)

☆ ﴿وَاللّٰهِ مَا يَخْفٰى عَلَيَّ رُكُوْعُكُمْ وَلَا خُشُوْعُكُمْ وَاِنِّيْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ﴾

''اللہ کی قسم! تمہارے رکوع اور تمہارے خشوع بھی مجھ پر پوشیدہ نہیں۔ اور بلا شبہ میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں''۔ (باب الخشوع فی الصلوٰۃ)

خشوع دل کی ایک کیفیت کو کہتے ہیں اور وہ بھی ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضور ﷺ لوگوں کی صرف ظاہری حالت ہی کو ملاحظہ نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ لوگوں کے دلوں کی کیفیات کو بھی جانتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

☆ ﴿حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَتُحَدَّثُ لَكُمْ وَوَفَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ فَمَا رَاَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ عَلَيْهِ وَمَا رَاَيْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ﴾

''میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے، تم احادیث بیان کرتے ہو اور تمہارے لیے احادیث بیان کی جاتی ہیں، اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوتے ہیں۔ میں تمہاری نیکی دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، اور تمہارا کوئی برا عمل دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں''۔

اسے حافظ عراقی نے طرح التثریب، امام سیوطی نے خصائص کبریٰ، امام زرقانی نے شرح مواہب، امام قسطلانی نے شرح بخاری، ملا علی قاری نے شرح شفا میں صحیح قرار دیا۔ یہ حدیث معنوی طور پر متواتر ہے، اسے ۱۴ صحابہ نے روایت کیا ہے۔ (اسلامی عقائد: ۲۲۲)

امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۹: ۲۴) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ ہم پر حاضر و ناظر ہیں، ہمارے درود و سلام سنتے ہیں تو پھر

''الصلوٰۃُ والسلامُ علیکَ یا رسولَ الله'' پڑھنا بالکل جائز ہے۔ اسی لیے مسلمان آج بھی بارگاہِ نبوی میں حاضری کے وقت انہی الفاظ میں درود و سلام پیش کرتے ہیں اور جو بات مدینہ منورہ میں ایمان کی نشانی ہو وہ کسی بھی جگہ شرک نہیں ہو سکتی۔

قرآن مجید سے تیسری دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾

''یہ نبی مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ اُن کے قریب ہے''۔ (الاحزاب: ۶)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں اَولیٰ سے مراد اَقْرَبُ (زیادہ قریب) ہے یا اَمْلَکُ (زیادہ مالک)۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى﴾ اَیْ اَحَقُّ وَاَقْرَبُ اِلَیْهِمْ ﴿مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾۔

یعنی ''نبی ﷺ اُن کی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور اُن کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں''۔ (تفسیر روح المعانی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اس کا ترجمہ ''مدارج النبوۃ'' میں یوں کرتے ہیں،

''رسول کریم ﷺ مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

☆ ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَدْ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَا هُوَ كَائِنٌ'' فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّيْ هٰذِهٖ﴾

''بیشک اللہ نے میرے سامنے دنیا کو ظاہر فرما دیا، پس میں دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کچھ اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں''۔ (طبرانی، ابو نعیم، مجمع الزوائد)

''اس حدیث کی ایک سند (کنز العمال والی) ضعیف ہے، باقی دو سندیں ضعیف نہیں ہیں۔ پھر حدیث ضعیف متعدد سندوں سے قوت حاصل کر کے حسن لغیرہ بن

جاتی ہے لہٰذا یہ حدیث مبارک ایک سند کے اعتبار سے بھی ضعیف نہیں رہی بلکہ ترقی کر کے درجۂ حسن کو پہنچ گئی ہے۔(عقائد ونظریات:۳۰۸،علامہ شرف قادری)

دارالعلوم دیوبند کے بانی قاسم نانوتوی صاحب اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں،

''معنی یہ ہیں کہ نبی نزدیک ہے مومنوں سے بہ نسبت ان کی جانوں کے،یعنی ان کی جانیں ان سے اتنی نزدیک نہیں جتنا نبی ان کے نزدیک ہے۔اصلی معنی اَولیٰ کے اَقرب ہیں''۔(تحذیرالناس:۱۰)

نبی کریم ﷺ کی شان تو بہت اعلیٰ ہے،اشرف علی تھانوی صاحب ایک ولی کی شان کے متعلق اپنی کتاب جمال الاولیاء صفحہ ۱۸۸ پر لکھتے ہیں،

''محمد بن الحضرمی مجذوب نے ایک دفعہ تیس شہروں میں خطبہ اور نمازِ جمعہ بیک وقت پڑھائے اور وہ کئی کئی شہروں میں ایک ہی شب میں شب باش ہوتے تھے''۔

انورشاہ کشمیری صاحب اس عقیدے کو یوں بیان کرتے ہیں،

میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی بیداری میں زیارت ممکن ہے جس کو اللہ یہ نعمت عطا فرمائے۔منقول ہے کہ علامہ سیوطی نے نبی ﷺ کی 22 بار بیداری میں زیارت کی،آپ سے بعض احادیث کے متعلق پوچھا اور حضور ﷺ کی تصحیح کے بعد انہیں صحیح قرار دیا۔......امام شعرانی نے لکھا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی بیداری میں زیارت کی اور آٹھ رفقاء کے ساتھ حضور ﷺ کو صحیح بخاری پڑھ کر سنائی۔(فیض الباری ج۱:۲۰۴)

الحمدُ للہ! یہ عقیدہ حاضر وناظر کے واضح دلائل ہیں۔رب تعالیٰ تعصب سے بچائے اور حق ماننے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

قرآن مجید سے چوتھی دلیل:

فرمانِ الٰہی ہے،﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾

''بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اُس غیب بتانے والے پر،اے ایمان والو! اُن پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔(الاحزاب:۵۶،کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،﴿وَاَمَّا التَّسْلِيْمُ فَهُوَ اَنْ يُقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾

''سلام عرض کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کہا جائے،اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ''۔(شعب الایمان ج۲ص۲۲۰)

☆ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ ہمیں تشہد اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن مجید کی آیات سکھاتے تھے۔آپ نے فرمایا،تشہد میں یہ پڑھو۔

﴿اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوتُ وَالطَّيِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ﴾

جب تم یہ کہو گے تو یہ دعا(اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا......)زمین وآسمان میں موجود ہر بندے کو پہنچ جائے گی۔(بخاری،مسلم)

دنیا بھر کے نمازی خواہ کسی ملک میں رہتے ہوں،زمانۂ نبوی ﷺ سے لے کر آج تک نماز میں یہی حرفِ ندا والا سلام پیش کرتے آرہے ہیں۔اگر حضور ﷺ کو حرف ''یا'' کے ساتھ مخاطب کرنا شرک ہو تو پھر سارے نمازی مشرک قرار پائیں گے(معاذ اللہ)
جو ہر نماز میں '' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ '' پڑھتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے سلام عرض کیا جاتا ہے۔

ماننا پڑے گا کہ جب ﴿ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ ﴾(اے نبی آپ پر سلام ہو)نماز میں پڑھنا واجب ہے تو نماز کے باہر ہرگز شرک نہیں ہوسکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سلام کے مذکورہ الفاظ بطور حکایت کے پڑھے جائیں بطور انشاء کے نہیں۔عرض یہ ہے کہ جس روایت میں ہے کہ یہ الفاظ معراج کی رات رب

تعالیٰ نے فرمائے تھے، اس کے متعلق دارالعلوم دیو بند کے محدث انور شاہ کشمیری کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند ہی نہیں ہے۔ (عرف الشذی:۱۳۹)

ذرا سوچیے کہ احادیث و کتبِ فقہ کے خلاف ایک بے سند روایت کی بنیاد پر ''سلام بطور حکایت'' کا پرچار کرنا دین کی کون سی خدمت ہے!!!

جب صحیح بخاری کی حدیث میں مذکور ہے کہ ''زمین و آسمان میں موجود ہر بندے کو تمہارا سلام پہنچ جاتا ہے'' تو یہ جبھی ممکن ہے کہ بندہ اپنی طرف سے نبی کریم ﷺ اور صالح بندوں کی خدمت میں سلام پیش کرے۔ انشاءِ سلام کا یہی مفہوم ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں، ''نمازی تشہد کے الفاظ سے ان کے معانی کا ارادہ کرے اور یہ ارادہ بطور انشاء ہو۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تحفے پیش کر رہا ہے، اور نبی کریم ﷺ، اپنی ذات اور صالحین پر سلام پیش کر رہا ہے، وہ محض خبر اور حکایتِ سلام کی نیت ہرگز نہ کرے''۔ (دُرِمختار ج۱:۶۷۴)

سورۃ الاحزاب کی مذکورہ آیتِ کریمہ ہی پر غور کر لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ﴿صَلُّوْا﴾ اور ﴿سَلِّمُوْا﴾ کے حکم کی تعمیل ہی جب ہوگی جب اپنی طرف سے درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا جائے گا۔ پھر کیا یہ عجیب بات نہیں کہ التحیات کے ابتدائی الفاظ کہتے وقت انشاء کی نیت ہو، اپنے اوپر سلام بھیجتے وقت انشاء کی نیت ہو، درود، دعا اور ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہتے وقت بھی انشاء کی نیت ہو مگر جب نبی کریم ﷺ پر سلام بھیجنا ہو تو حکایت کی نیت کر لی جائے۔ کیوں؟ یہ نفاق کی نشانی ہے کہ بندہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی شان و عظمت کو ماننے میں دل تنگ کرے۔

ایسی ہی فکر کے لوگ نماز کے علاوہ صرف درودِ ابراہیمی پڑھنے پر زور دیتے نظر آتے ہیں لیکن وہ نماز والا سلام پڑھنے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ درودِ ابراہیمی میں صرف صلوٰۃ کا ذکر ہے سلام کا نہیں جبکہ آیت میں درود اور سلام دونوں پڑھنے کا

حکم ہے۔ لہٰذا درودِ ابراہیمی پڑھنے سے سلام کے حکم پر عمل ممکن نہیں اس لیے اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ پڑھنے سے قرآنی حکم پر عمل ہو جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ نماز والا درود نماز کے علاوہ بھی پڑھنا چاہیے مگر نماز والا سلام بھی نماز کے علاوہ پڑھنا چاہیے، یہ صحابہ کرام کی سنت اور مومن ہونے کی علامت ہے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ کتابُ الشفا کی شرح میں فرماتے ہیں،

وَالْمَنْقُوْلُ اَنَّھُمْ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ فِیْ تَحِیَّۃِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ (نسیم الریاض ج۳:۴۵۴)

''منقول ہے کہ صحابہ کرام بارگاہِ نبوی میں یوں درود و سلام پیش کیا کرتے تھے، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ''۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آقا و مولیٰ ﷺ کے ساتھ مکہ کے نواح میں گیا۔

﴿فَمَا اسْتَقْبَلَهٗ جَبَلٌ وَّلَا شَجَرٌ اِلَّا وَهُوَ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾

''جو پتھر یا درخت راستے میں ہوتا وہ کہتا، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ''۔

(ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ باب المعجزات)

خلاصہ یہ ہے کہ نماز میں اور نماز کے علاوہ بھی نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے سلام پیش کرنا صحابہ کی سنت، ایمان کی روح اور محبت کی اساس ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ ﷺ موجودات کے ذرے ذرے میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ پس نورِ کبریا ﷺ ہر نمازی کی ذات میں جلوہ گر ہیں۔ نمازی کو چاہیے کہ اس حقیقت سے آگاہ رہے تاکہ حضور ﷺ کے قرب کے اسرار اور آپ کی معرفت کے انوار سے فیضیاب ہو''۔ (اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ)

یہی مفہوم امام بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری ج۶ ص۱۱۱، حافظ ابن

حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۲۵۰، امام غزالی نے احیاء العلوم ج ا ص ۱۰۷، امام شعرانی نے کتاب المیز ان ص ۱۴۵ اور امام قسطلانی نے مواہب الدنیہ ج ۲ ص ۳۲۰ پر بیان کیا ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

جلاء الافهام کی حدیث کی سند:

قال الطبرانی حدثنا یحیی بن ایوب العلاف حدثنا سعید بن ابی مریم عن خالد بن زید عن سعید بن ابی هلال عن ابی الدرداء قال......۔

پہلے راوی......یحییٰ بن ایوب علاف: امام نسائی اور امام طحاوی ان سے روایت کرتے ہیں۔ امام نسائی نے انہیں صالح قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱: ۱۸۵)

دوسرے راوی......سعید بن ابی مریم: یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

تیسرے راوی......خالد بن زید: یہ بھی صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔

چوتھے راوی......سعید بن ابی ہلال: علامہ ذہبی لکھتے ہیں، یہ صحاح ستہ کے معروف ثقہ راوی ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۱: ۳۹۳)

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، صحاح ستہ کے تمام ائمہ ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ ابن سعد، ساجی، عجلی، ابن خزیمہ، دار قطنی، بیہقی، خطیب، ابن عبدالبر اور کثیر ائمہ رحمہم اللہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴: ۹۵)

علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، اس حدیث کے متعلق امام منذری رحمہ اللہ کا یہ قول کہ ''اسے امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے سند جید سے روایت کیا'' تمام فضول اعتراضات کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ (حیاتُ النبی: ۶۵)

☆☆☆☆

﴾……باب پنجم……﴿

وسیلہ، قرآن وسنت میں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَةَ﴾

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اُس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو‘‘۔

(المائدہ:۳۵، کنزالایمان)

اس آیتِ مقدسہ میں وسیلہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بعض لوگ صرف اعمالِ صالحہ کو وسیلہ قرار دیتے ہیں حالانکہ کوئی شخص ہرگز یہ نہیں جانتا کہ اس کے اعمال بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہیں یا نہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی کریم ﷺ کے بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہونے میں کسی مومن کو شبہ نہیں ہوسکتا۔ تو جب ان اعمال صالحہ کو جو کہ مخلوق ہیں اور جن کی مقبولیت یقینی نہیں، وسیلہ بنایا جاسکتا ہے تو سب سے بہتر مخلوق، نبی کریم ﷺ کو وسیلہ کیوں نہیں بنایا جاسکتا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ومقبول بندے ہیں۔

صحابہ کرام مشکل وقت میں حاجت روائی کے لیے سرکارِ دوعالم ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں فریاد کیا کرتے اور مشکل کشائی کے لیے آقا کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے توسل کرتے۔ رحمتِ عالم ﷺ بھی ان کی مشکل دور فرما دیا کرتے۔

☆ حضرت اَنس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ زمانۂ نبوی ﷺ میں ایک بار قحط پڑا۔ حضور ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کی،

یارسول اللہ ﷺ! قحط سے جانور ہلاک ہو رہے ہیں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہم پر بارش برسائے۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ اسی وقت آسمان پر بادل نمودار ہوا اور ہم برستی ہوئی بارش میں گھروں کو گئے۔ اگلے جمعہ تک متواتر بارش ہوتی رہی۔ پھر کسی نے کھڑے ہوکر عرض کی، آقا! ہمارے گھر گرنے لگے ہیں اور

راستے بند ہوگئے۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بارش روک لے۔

﴿فَتَبَسَّمَ النَّبِیُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ اللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا﴾

آپ ﷺ مسکرائے اور دعا کی، الٰہی! ہمارے اردگرد برسا، ہم پر نہ برسا۔ پس ہم نے دیکھا کہ بادل مدینہ منورہ کو چھوڑ کر اردگرد برسنے لگے اور مدینہ منورہ تاج کی طرح چمکنے لگا۔ (بخاری جلد اول ابواب الاستسقاء)

نبی کریم ﷺ اور آپ سے نسبت والی اشیاء سے برکت اور شفاء کے لیے توسل و استعانت صحابہ کرام کا معمول تھا۔ حضور ﷺ خود بھی صحابہ کو یہ برکتیں عطا فرماتے۔

☆ حضرت عروہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں،

﴿وَاللّٰہِ اِنْ رَّاَیْتُ مَلِکًا قَطُّ یُعَظِّمُہٗ اَصْحَابُہٗ مَا یُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُحَمَّدًا وَّاللّٰہِ اِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِیْ کَفِّ رَجُلٍ مِّنْھُمْ فَدَلَکَ بِھَا وَجْھَہٗ وَجِلْدَہٗ وَاِذَا اَمَرَھُمْ ابْتَدَرُوْا اَمْرَہٗ وَاِذَا تَوَضَّاَ کَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْئِہٖ وَاِذَا تَکَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَہٗ وَمَا یُحِدُّوْنَ اِلَیْہِ النَّظَرَ تَعْظِیْمًا لَّہٗ﴾

اللہ کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی محمد ﷺ کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب حضور ﷺ تھوکتے ہیں تو ان کا لعاب دہن کوئی نہ کوئی صحابی اپنی ہتھیلی پر لے کر اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے۔ جب وہ ان کو حکم دیتے ہیں تو وہ ان کے حکم کی تعمیل میں جلدی کرتے ہیں۔ جب وہ وضو فرماتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ لوگ انکے وضو کے استعمال شدہ پانی کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے لڑ پڑیں گے۔ اور جب وہ کلام فرماتے ہیں تو لوگ ان کے پاس اپنی آوازیں پست کرلیتے ہیں۔ اور ان کی تعظیم کے باعث لوگ ان کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھتے۔ (بخاری کتاب الشروط)

سرکارِ دوعالم ﷺ نے کبھی صحابہ سے یہ نہیں فرمایا کہ ’’میں تمہاری مثل بشر ہوں تو پھر

تم میرے لعابِ دہن اور وضو کے مستعمل پانی کے لیے کیوں اس قدر کوشش کرتے ہو، یہ سب شرک وبدعت ہے''۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ آقا کریم ﷺ نے خود اپنی ذات اقدس کی برکتیں صحابہ کو عطا فرمائیں۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں،

☆ رسولِ معظم ﷺ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ کے خدام پانی سے بھرے برتن لے آتے اور آپ ہر برتن میں اپنا مبارک ہاتھ ڈبو دیتے۔ وہ سخت سردی میں بھی پانی لاتے تو آپ اپنا ہاتھ اس میں ڈبو دیتے۔ (مسلم کتاب الفضائل)

☆ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں، ﴿رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَالْحَلَّاقُ یَحْلِقُہٗ وَاَطَافَ بِہٖ اَصْحَابُہٗ فَمَا یُرِیْدُوْنَ اَنْ تَقَعَ شَعْرَۃٌ اِلَّا فِیْ یَدِ رَجُلٍ﴾

میں نے دیکھا کہ حجام آقا ومولیٰ ﷺ کا سر مبارک مونڈ رہا ہے اور آپ کے صحابہ آپ کے گرد گھوم رہے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ آپ کا کوئی بھی بال مبارک زمین پر گرنے کی بجائے ان کے ہاتھ میں آئے۔ (مسلم کتاب الفضائل)

☆ حدیبیہ کے دن پانی کی قلت کے باعث لوگ پریشان ہوئے تو بارگاہ رسالت میں فریاد کی۔ حضور ﷺ نے برتن میں اپنی مبارک انگلیاں ڈال دیں اور ان سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ صحابہ نے پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر ؓ سے پوچھا گیا، آپ کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے فرمایا،

﴿لَوْ کُنَّا مِائَۃَ اَلْفٍ لَکَفَانَا کُنَّا خَمْسَ عَشَرَۃَ مِائَۃً﴾ (بخاری کتاب الاشربہ)

''اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو ہمیں کافی ہوتا مگر ہم ڈیڑھ ہزار تھے''۔

☆ حضرت عبداللہ بن عتیک ؓ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی ہاتھ مبارک پھیر کر جوڑ دی۔ وہ فرماتے ہیں، ﴿فَبَسَطْتُ رِجْلِیْ فَمَسَحَہَا فَکَاَنَّہَا لَمْ اَشْتَکِہَا قَطُّ﴾

''میں نے اپنا پاؤں پھیلایا، حضور ﷺ نے اس پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیا تو وہ ایسا ہو گیا کہ گویا اسے کوئی تکلیف ہی نہیں تھی''۔ (بخاری کتاب المغازی)

☆ حضرت سلمہ بن اکوع ؓ کی زخمی پنڈلی دَم کر کے صحیح فرما دی۔ وہ فرماتے ہیں،

﴿فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَنَفَثَ فِیْہِ ثَلَاثَ نَفَثَاتٍ فَمَا اشْتَکَیْتُہَا حَتَّی السَّاعَۃِ﴾

''میں آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے تین بار دم فرما دیا۔ اُس وقت سے لیکر آج تک مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی''۔ (بخاری کتاب المغازی)

☆ حضرت علی ؓ کی دُکھتی آنکھوں میں لعابِ دہن لگا دیا، وہ شفا پا گئے۔

﴿ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ عَیْنَیْہِ وَدَعَا لَہٗ فَبَرَاَ حَتّٰی کَاَنْ لَمْ یَکُنْ بِہٖ وَجَعٌ ﴾

حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی تو ان کی تکلیف دور ہو گئی گویا کبھی درد ہی نہ تھا۔ (بخاری کتاب المناقب)

☆ حضرت ابوہریرہ ؓ نے کمزور حافظہ کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اپنی چادر بچھا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے کوئی چیز اس میں ڈالی دی اور فرمایا، سمیٹ لو۔ وہ کہتے ہیں،

﴿فَغَرَفَ بِیَدَیْہِ ثُمَّ قَالَ ضُمَّہٗ فَضَمَمْتُہٗ فَمَا نَسِیْتُ شَیْئًا بَعْدَہٗ﴾

میں نے چادر سمیٹ لی، اس کے بعد میں کوئی بات نہیں بھولا۔ (بخاری کتاب العلم)

امام بخاری رحمہ اللہ نے تو صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر میں ایک باب کا عنوان ہی یہ قائم کیا، ''نبی کریم ﷺ کے تبرکات کا بیان یعنی آپ کی زرہ، عصا، تلوار، پیالہ اور انگوٹھی جن کو بعد میں آپ کے خلفاء نے استعمال کیا اور انہیں تقسیم نہیں کیا گیا۔ نیز آپ کے موئے مبارک، نعلین مبارک اور برتنوں کو آپکے وصال کے بعد صحابہ کرام اور دوسروں نے تبرکات قرار دے کر ان سے برکت حاصل کی''۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ صحابہ کرام جب رحمتِ عالم ﷺ کے آثار وتبرکات کو وسیلہ بنایا کرتے تھے تو کیا آقا کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو وسیلہ نہیں بناتے تھے؟

اگر نبی کریم ﷺ سے نسبت کی وجہ سے آپ کے بال مبارک، تھوک مبارک، پسینہ مبارک، جبہ مبارک، پیالہ مبارک، جسمِ اقدس سے چھو جانے والی جگہیں اور اعضائے

وضو سے لگے ہوئے پانی کو حصولِ برکت کے لیے وسیلہ بنانا جائز ہے تو سرکارِ دوعالم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو وسیلہ بنانا کیونکر نا جائز ہوسکتا ہے؟؟؟

(مزاراتِ اولیاء اور توسل: ۴۷)

مکہ مکرمہ کے جلیل القدر عالم ڈاکٹر سید محمد علوی مالکی مدظلہ العالی ایک اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں،

’’مسلمانوں کے مسلک پر بدگمانی اور کج فہمی کے سوا اس بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ انبیاء وصالحین کو مسلمان وسیلہ وسبب بناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو مراد مانگی جارہی ہے یہ اسے پوری کرنے میں سبب بن جائیں، انکی دعا وشفاعت اور توجہ کے سبب اللہ تعالیٰ مراد پوری فرمادے۔ اور یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک نابینا صحابی نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر آپ کو وسیلہ بنایا اور اللہ تعالیٰ سے طلب و استغاثہ میں آپ وسیلہ بنے۔ اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ مراد پوری بھی ہوئی اور نبی کریم ﷺ نے اس نابینا صحابی سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے مجھ سے یہ طلب وتوسل کرکے شرک کیا ہے۔ (اصلاح فکر واعتقاد: ۲۳۴)

صالحین کا وسیلہ:

انبیاء کرام کے علاوہ دیگر صالحین کو وسیلہ بنانا بھی جائز ہے۔ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ جب دورِ فاروقی میں لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر ؓ حضرت عباس ؓ کے وسیلے سے یہ دعا کرتے،

﴿اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْکَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْکَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ﴾

’’اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے اور تو ہمیں بارش عطا فرماتا تھا اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، تو

بارش عطا فرما‘‘۔ پس بارش ہوجاتی۔ (بخاری ابواب الاستقاء)

اس حدیث شریف سے دو اہم باتیں معلوم ہوئیں:-

اول:...... یہ کہ صحابہ کرام آقا ومولیٰ ﷺ کو آپ کے وصال کے بعد بھی وسیلہ بنایا کرتے تھے یعنی وسیلہ اختیار کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔

دوم:...... یہ کہ اللہ کے ولی کو یعنی غیر نبی کو وسیلہ بنانا بھی جائز ہے جیسا کہ صحابہ کرام نے حضرت عباس ؓ کو وسیلہ بنایا۔

مفکرِ اسلام حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری جیلانی حفظہ اللہ رقمطراز ہیں،

بعض کم فہم حضرت عباس ؓ سے توسل والی حدیث کے حوالے سے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ’’حضرت عمر ؓ نے حضور ﷺ کا وسیلہ اس لیے اختیار نہ کیا کہ وہ وصال فرماچکے تھے لہٰذا وصال کے بعد کسی سے توسل جائز نہیں‘‘۔

یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت عمر ؓ نے کسی اور صحابی کو وسیلہ کیوں نہ بنایا اور حضرت عباس ؓ کو ہی وسیلہ کیوں بنایا؟ اس کا جواب یہ ہے، کیونکہ آپ نبی کریم ﷺ کے چچا ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عمر ؓ نے حضرت عباس ؓ کا بطور وسیلہ دعا میں ذکر نہ کیا بلکہ فرمایا، ﴿وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْکَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا﴾

’’ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں تو بارش عطا فرما‘‘۔

ثابت ہوا کہ وسیلہ بظاہر حضرت عباس ؓ ہیں اور درحقیقت یہ وسیلہ حبیبِ کبریا ﷺ ہی کا وسیلہ ہے۔ (مزاراتِ اولیاء اور توسل: ۵۵)

سرکارِ دوعالم ﷺ نے گھر سے نماز کے لیے نکلتے ہوئے بعض کلمات کہنے والے کے لیے یہ بشارت دی ہے کہ اس پر رحمتِ الٰہی نازل ہوتی ہے اور ستّر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ ان کلمات کے آغاز میں یوں ہے،

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ............﴾

''اے اللہ! مانگنے والوں کا جو حق تیرے ذمۂ کرم پر ہے، میں اسکے وسیلے سے تجھ سے مانگتا ہوں''۔(ابن ماجہ باب المشی الی الصلوٰۃ)

اس حدیث کے تحت علماء فرماتے ہیں کہ ''بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ'' سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی اور غیر نبی جو بھی بارگاہِ الٰہی کے سائل ہیں ان سب کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ زندہ اور فوت شدہ دونوں سے توسل جائز ہے کیونکہ ''سائلین'' میں زندہ اور فوت شدہ دونوں شامل ہیں۔(مزاراتِ اولیاء اور توسل:۵۲)

استاذی ومرشدی قبلہ شاہ صاحب مذکورہ کتاب میں ''وصال کے بعد توسل'' کے تحت رقمطراز ہیں، ''نبی کریم ﷺ نے اپنی چچی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی تدفین سے قبل ان کی قبر میں لیٹ کر یہ دعا فرمائی،

''اے اللہ! میری چچی کو بخش دے، انہیں ان کی دلیل سکھا دے۔

﴿وَوَسِّعْ عَلَیْھَا مَدْخَلَھَا بِحَقِّ نَبِیِّکَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ﴾

''اور اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام کے حق کے سبب انکی قبر کشادہ فرمادے، بیشک تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اس دعا سے معلوم ہوا کہ امامُ الانبیاء ﷺ نے اپنے اور انبیاء کرام کے حق کو وسیلہ بنایا جبکہ انبیاء کرام اس دنیا سے وصال فرما چکے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ محبوبانِ خدا کا وسیلہ جائز ہے خواہ انکی ظاہری زندگی میں ہو یا وصال کے بعد''۔

غائبانہ فوقُ الاسباب ندا :

بعض لوگ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کو غائبانہ اور فوقُ الاسباب ندا کرنے کو شرک قرار دیتے ہیں جو کہ ہرگز شرک نہیں۔ آیئے قرآن کریم اور احادیثِ نبوی کے نور سے دلوں کو روشن کریں۔

1۔ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا﴾

''اور جب عرض کی ابراھیم نے، اے میرے رب! مجھے دکھا دے تو مردے کیسے زندہ کرے گا۔ فرمایا، کیا تجھے یقین نہیں؟ عرض کی، یقین کیوں نہیں مگر میں یہ چاہتا ہوں میرے دل کو قرار آجائے۔ فرمایا، تو چار پرندے لے کر اپنے ساتھ مانوس کر لے پھر انہیں ذبح کر کے ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر انہیں بلا، وہ تیرے پاس دوڑتے چلے آئیں گے''۔(البقرۃ:۲۶۰)

یہ ندا غائبانہ بھی تھی اور فوقُ الاسباب بھی کیونکہ پرندے ذبح کر کے ان کا گوشت بوٹی بوٹی کر دیا جائے اور پھر ان ذبح شدہ پرندوں کو ندا کرنا کہ وہ دوڑتے ہوئے چلے آئیں، یہ اسباب کے تحت کیونکر ممکن ہے!

2۔ ﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ﴾ ''اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے، وہ تیرے پاس حاضر ہونگے''۔(الحج:۲۷، کنز الایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر ندا کی، اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ندا سب کو سنوا دی جو مردوں کی پشتوں میں اور عورتوں کے رحموں میں تھے۔ اور اُن سب نے اس ندا کا جواب دیا جن کے مقدر میں حج ہے۔ انہوں نے کہا، لبیک اللھم لبیک۔(تفسیر ابن جریر، تفسیر کبیر، مدارک التنزیل، ابن کثیر، مظہری)

غور کیجیے کہ مذکورہ ندا غائبانہ تھی اور فوقُ الاسباب بھی کیونکہ تمام لوگوں کو جو ہزاروں میل دور ہوں یا آباء واجداد کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں ہوں، ایک جگہ سے ندا کرنا کہ وہ سن لیں، اسباب کے تحت ممکن ہی نہیں۔ کیا اس غائبانہ اور فوقُ الاسباب ندا

کی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشرک قرار دیا جائے گا (معاذ اللہ)؟ یقیناً ہرگز نہیں۔ انبیاءِ کرام تو صغیرہ و کبیرہ ہر قسم کے گناہ سے معصوم ہوتے ہیں اور شرک مٹانے آتے ہیں۔ پھر اس ندا کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے دیا تھا، اب یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کیا فتویٰ لگائیں گے؟ رب تعالیٰ قرآن و حدیث کا صحیح فہم نصیب فرمائے، آمین۔

مذکورہ حدیث تفسیر عثمانی میں بھی ہے جس کے ضمن میں شبیر احمد عثمانی صاحب نے یہ الفاظ لکھے ہیں، ''بلاتشبیہ جیسے آج کل ہم امریکہ یا ہندوستان میں بیٹھ کر لندن کی آوازیں سن لیتے ہیں''۔

قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ ہم یہود و نصاریٰ کے بنائے ہوئے آلات کی طاقت تو فوراً مان لیتے ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایک شخص ہندوستان میں بیٹھ کر امریکہ یا لندن سے کسی بولنے والے کی آواز سن سکتا ہے، اسے بولتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔ اب تو موبائیل فون سے کسی بھی وقت کسی بھی جگہ کسی سے بات کرنا، اور SKYPE سے اسے دیکھ کر بات چیت کرنا ہمارا تجربہ و مشاہدہ ہے۔

غور فرمایئے کہ کافروں کے بنائے ہوئے آلات کی طاقت کے ذریعے دُور سے دیکھنے سننے کی صلاحیت ماننا شرک نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا سے نبوت و ولایت کی طاقت کے ذریعے دُور سے دیکھنے سننے کی صلاحیت ماننا شرک کیونکر ہوسکتا ہے؟؟

3۔ نبوت و ولایت کی طاقت اور غیر معمولی سماعت و بصارت پر قرآن مجید کی آیات گواہ ہیں اور صحیح احادیث شاہد ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ ''شاہد'' اور ''شہید'' ہیں، آپ ہمارے احوال ملاحظہ فرماتے ہیں، ہمارے درود و سلام سنتے ہیں، ہمارے اعمال کے گواہ ہیں، آپ مدینہ منورہ سے حوضِ کوثر دیکھتے ہیں، زمین میں مدفون امتیوں کے عذاب دیکھ لیتے ہیں، نمازیوں کے خشوع و خضوع سے آگاہ ہیں، شبِ معراج جنت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے چلنے کی آواز سن لیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی شان تو بہت بلند و بالا ہے، ان کے اُمتیوں کی شان بھی اعلیٰ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر ''نہاوند'' بھیجا جس کے امیر کا نام ساریہ رضی اللہ عنہ تھا۔

﴿فَبَیْنَمَا عُمَرُ یَخْطُبُ فَجَعَلَ یَصِیْحُ یَا سَارِیَ الْجَبَلَ﴾

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے پکارا، اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہوجا۔ جب لشکر سے ایک قاصد آیا تو کہنے لگا، اے امیر المومنین! جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہوا تو ہمیں شکست ہونے والی تھی کہ ہم نے آواز سنی، اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہوجا۔ ہم پہاڑ کی طرف ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دیدی۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سینکڑوں میل دور نہاوند میں لشکر کو دیکھ رہے تھے اس لیے آپ نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو پکارا اور آپ کی آواز لشکر والوں نے سن لی۔ یہ غائبانہ اور فوق الاسباب ندا کا واضح ثبوت ہے۔

4۔ حق یہ ہے کہ ہمارا یہ ایمان ہونا چاہیے،

﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ''بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ (البقرۃ:۱۰۹)

﴿اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ﴾ ''بیشک تو بہت زیادہ دینے والا ہے''۔ (آلِ عمران:۸)

اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ''وہاب'' کے معنی ہیں، ''بے حد و بے حساب دینے والا''۔ رب کریم کی اس صفت کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ کو جو لاتعداد انعامات اور بیشمار کمالات عطا فرمائے ہیں، انہیں جانا اور مانا جائے۔ حقیقت یہی ہے کہ جسے حبیبِ کبریا ﷺ کی شان سمجھ میں آجائے وہی عظمتِ باری تعالیٰ کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

اسی لیے نماز میں رحمتِ عالم نورِ مجسم ﷺ کو بطور اِنشاءِ سلام پیش کرنے کا حکم ہے (جس پر تفصیلی گفتگو ہوچکی) وہ بھی حرفِ ندا پر مشتمل ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ (اے نبی آپ پر سلام ہو)

5۔ احادیثِ مبارکہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب کسی مسلمان سے ملیں تو اسے السلام علیکم کہہ کر سلام کریں جبکہ فوت شدہ مسلمانوں کو خاص طور پر ندا و خطاب کے الفاظ کے ساتھ سلام کا حکم دیا گیا، **اَلسَّلامُ علیکم یَا اَھلَ القبُور**۔ کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ جانتے ہیں کہ زندوں کے سننے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہوگا البتہ بعض کم فہم، فوت شدہ لوگوں کے سننے کا انکار کریں گے۔ اسی لیے زندوں کے سلام میں حرفِ ندا ''یا'' نہیں ہے جبکہ مُردوں کے سلام میں ''یا'' کہنے کی تعلیم دی گئی تا کہ ہمیں یہ یقین ہو جائے کہ مُردے ہمارے سلام سنتے اور سمجھتے ہیں۔

غیب بتانے والے آقا کریم ﷺ کا فرمانِ ذی شان ہے،

﴿اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ﴾

''بیشک جب بندے کو قبر میں رکھ کر اس کے ساتھی واپس ہوتے ہیں تو وہ اُن لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ (بخاری کتاب الجنائز)

﴿اِنَّ الْمَیِّتَ یَعْرِفُ مَنْ یَّغْسِلُہٗ وَیَحْمِلُہٗ وَیُدْلِیْہِ فِیْ قَبْرِہٖ﴾ بیشک مردہ اپنے غسل دینے والے، اٹھانے والے اور دفن کرنے والوں کو پہچانتا ہے۔ (الحاوی للفتاویٰ)

﴿مَا مِنْ رَجُلٍ یَزُوْرُ قَبْرَ اَخِیْہِ وَیَجْلِسُ عِنْدَہٗ اِلَّا اسْتَاْنَسَ بِہٖ وَرَدَّ عَلَیْہِ حَتّٰی یَقُوْمَ﴾

جب کوئی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو وہاں سے اُٹھنے تک قبر والا اس سے سکون پاتا ہے۔ (ابن ابی الدنیا)

اسلامی تعلیم یہ ہے کہ قبرستان جا کر ایک بار سلام کرنا چاہیے، ہر ہر قبر کے پاس جا کر سلام کرنے کا حکم نہیں۔ کیونکہ ایک بار سلام کرنا خواہ آہستہ آواز میں ہو یا بلند آواز میں، تمام قبر والے سن لیتے ہیں خواہ ان کے اجسام مٹی میں مل چکے ہوں۔

ایک اور حدیث پاک کے مطابق مومنوں کی ارواح اعلیٰ علیین میں ہوتی ہیں۔ اتنی دُوری کے باوجود اُن کی ارواح سلام سن لیتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر والوں

کو سلام کرنا غائبانہ ندا بھی ہے اور فوقُ الاسباب بھی، اس لیے کم فہم لوگوں کے مطابق اسے بھی شرک ہونا چاہیے حالانکہ یہ سنت ہے۔

ممکن ہے کہ اس کے جواب میں کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کی ارواح کا تعلق ان کے اجسام سے قائم کر کے انہیں ہمارے سلام سنوا دیتا ہے اس لیے یہ سلام شرک نہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو بھی بعد از وصال، دور سے سننے اور دیکھنے کی صلاحیت رب تعالیٰ ہی نے عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا جیسے عام مسلمان مُردوں کا ہمارے سلام سننا اور زائرین کو پہچاننا رب تعالیٰ کی عطا سے ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کا دُور و نزدیک سے ہمارے سلام سننا اور ہمارے احوال دیکھنا بھی رب تعالیٰ ہی کی عطا سے ہے اور اولیاء کرام کی کرامات اور کمالات بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا سے ہیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''آیات و احادیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ روح باقی یعنی زندہ ہے اور اسے زائرین اور انکے حالات کا علم اور شعور ہوتا ہے۔ کاملین کی روحوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب اسی طرح ثابت ہے جس طرح زندگی میں تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں اور انہیں کائنات میں تصرف کی قوت و طاقت حاصل ہے۔ یہ سب کچھ ان کی ارواح کرتی ہیں اور وہ باقی ہیں۔ حقیقی تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور سب کچھ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے''۔ (اشعۃ اللمعات ج ا ص ۷۱۵)

حق یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کو دُور و نزدیک سے پکارنا یا فوقُ الاسباب امور میں ان سے مدد چاہنا ہرگز شرک نہیں ہے۔

استعانت مافوقُ الاسباب:

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ''لوگ فوت شدہ انبیاء و صالحین سے ایسی چیزیں مانگتے ہیں جن کی قدرت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اس لئے یہ استعانت

شرک ہے۔ اگر ان اسباب کے تحت مدد مانگی جائے جو عادتاً انسان کے اختیار میں ہوتے ہیں تو پھر کوئی حرج نہیں‘‘۔

یہ بھی شیطان کا وسوسہ ہے۔ غور فرمائیے کہ اگر کوئی شخص دیکھنے کے لیے عادی سبب یعنی اپنی آنکھوں کو مستقل مؤثر سمجھے اور خود کو اللہ تعالیٰ کا محتاج نہ جانے تو کیا وہ کافر ومشرک نہیں ہوگا؟ یوں ہی اگر کوئی سننے کے لیے عادی سبب یعنی اپنے کانوں کو مستقل مؤثر سمجھے اور خود کو اللہ تعالیٰ کا محتاج نہ جانے تو کیا وہ کافر ومشرک نہیں ہوگا؟ یعنی کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ میں اب دیکھنے اور سننے کے لیے اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں ہوں کیونکہ ان اُمور کے لیے میرے پاس آنکھیں اور کان ہیں جن کے ذریعے میں از خود دیکھنے اور سننے کی طاقت کا مالک ہوں، ایسا شخص یقیناً کافر ومشرک ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی بھوک دور کرنے کے لیے کھانے کو، پیاس بجھانے کے لیے پانی کو اور بیماری دور کرنے کے لیے دوا کو مؤثر بالذات سمجھے اور خود کو مذکورہ کاموں میں اللہ تعالیٰ کا محتاج نہ جانے تو کیا وہ کافر ومشرک نہیں ہوگا؟ جواب ہے کہ یقیناً ہوگا۔ اسی لیے اہلسنت کے نزدیک مذکورہ امور محض عادی اسباب اور وسیلہ ہیں اور مؤثرِ حقیقی بالذات صرف رب تعالیٰ ہے۔ پس توحید وشرک میں اصل فرق تحتُ الاسباب اور فوقُ الاسباب کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو مؤثرِ حقیقی سمجھنے یا اسباب کو مؤثرِ حقیقی سمجھنے کا ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ ایک دوپہر کو آرام فرمارہے تھے کہ ایک کافر نے آپ کی تلوار اٹھالی اور کہنے لگا، اب تمہیں مجھ سے کون بچاسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا، میرا اللہ۔ یہ سن کر کافر کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ آپ نے تلوار اٹھا کر فرمایا، اب تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اس کافر نے کہا، اگر آپ معاف کردیں تو میں بچ سکتا ہوں ورنہ نہیں۔

(بخاری، مسلم)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کے نزدیک بھی تحتُ الاسباب اور

فوقُ الاسباب کا فرق کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ اس کافر سے جس کے ہاتھ میں آپ کی تلوار تھی، عفو ودرگزر کو فرماتے لیکن آپ ﷺ نے اُس وقت بھی جب اسباب آپ کے موافق نہیں تھے، محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جبکہ اس کافر نے اپنی ہلاکت تحتُ الاسباب دیکھی تو وہ معافی مانگنے لگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ظاہری اسباب ہوں یا باطنی، مادی دوائیں ہوں یا روحانی، حکام وڈاکٹر ہوں یا انبیاء واولیاء، سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے نفع دیتے ہیں، مؤثرِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

آیئے اب قرآن کریم کے نور سے راہنمائی لیتے ہیں۔

سلیمان علیہ السلام کے امتی کا تصرف:

تفاسیر میں ہے کہ یمن کی ملکہ بلقیس کا تخت، جسے قرآن میں عرشِ عظیم کہا گیا، 80 گز لمبا، 40 گز چوڑا اور 30 گز اونچا تھا۔ جب ملکہ اپنے وزراء کے ساتھ جنوبی یمن کی وادی سبا سے دربارِ نبوت کے لیے روانہ ہوئی، اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ تخت اپنے پاس منگوانا چاہا تو اپنے دربار میں اعلان کیا،

﴿اَیُّکُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ﴾

’’تم میں کون ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہوں‘‘۔ (النمل:۳۸)

غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اُس تخت کا اور اُس وادی کا ہدہد کے سوا کسی اور کو علم نہ تھا۔ تین ہزار میل کے فاصلے سے اس عظیم تخت کو فوری طور پر دربارِ نبوت میں لانے کا مطالبہ کیا ’’مافوقُ الاسباب‘‘ اُمور سے متعلق نہیں یعنی وہ امور جو عادتاً انسانی قدرت میں نہیں ہوتے۔ یقیناً اللہ کے نبی نے مافوقُ الاسباب امور میں مدد مانگی۔

اب جو لوگ مافوقُ الاسباب اُمور میں مدد مانگنے کو شرک کہتے ہیں کیا وہ اللہ کے نبی

حضرت سلیمان علیہ السلام پر شرک کا فتویٰ لگائیں گے؟ اور اللہ تعالیٰ پر کیا فتویٰ لگائیں گے جس نے قرآن مجید میں اسے بیان کر کے قیامت تک کے مومنوں کے لیے مشعلِ راہ بنا دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے،

﴿قَالَ عِفۡرِیۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِکَ وَاِنِّیۡ عَلَیۡہِ لَقَوِیٌّ اَمِیۡنٌ﴾ (النمل:۳۹)

’’ایک بڑا سرکش جن بولا، میں وہ تخت آپ کے سامنے حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ آپ اجلاس برخاست کریں، اور بیشک میں اس پر قوت والا، امانت دار ہوں‘‘۔

آپ نے فرمایا، میں اس سے بھی جلد چاہتا ہوں۔ اس پر آپ کی امت کے ایک ولی حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ نے کتابِ الٰہی زبور سے کچھ علم رکھنے کی برکت سے اپنی قدرت کا یوں اظہار کیا،

﴿قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ﴾

’اُس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اُسے (یعنی ملکہ کے عظیم تخت کو) آپ کے پاس حاضر کردوں گا ایک پلک جھپکنے سے پہلے‘‘۔

ایمان سے کہیے کہ جس کے پاس کتاب سے کچھ علم تھا، اُس کے علم وقدرت کی یہ شان ہو کہ بغیر کسی سے پوچھے جان لے کہ تخت کہاں ہے اور اسے آنکھ جھپکنے سے پہلے کیسے لانا ہے اور پھر پلک جھپکنے سے پہلے لے بھی آئے تو جس محبوب رسول ﷺ کے سینۂ اقدس پر رب تعالیٰ نے پورا قرآن عظیم نازل فرمایا ہو اور پھر اُسے قرآن کے تمام علوم بھی سکھا دیے ہوں، ﴿اَلرَّحۡمٰنُ o عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ﴾ جس کی شان ہو، اُس کے علم کی وسعت اور اُس کی قدرت وتصرف کی کس قدر اعلیٰ شان ہوگی!!!

شیطان کسی دل میں یہ وسوسہ نہ ڈالے کہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کو تخت لانے پر

خود قدرت نہ تھی جو دوسروں سے کہا؟ اللہ کے نبی یہی بتانا چاہتے تھے جب میرے غلاموں کی اس قدر اونچی شان ہے تو میری شان کس قدر اعلیٰ ہوگی۔ اسی بات کو انہوں نے رب کا فضل قرار دیا۔

﴿فَلَمَّا رَاٰہُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَہٗ قَالَ ہٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ﴾

’’پھر جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا تو کہا، یہ میرے رب کے فضل سے ہے‘‘۔ (النمل:۴۰)

ان آیات سے ثابت ہوا کہ ایسے کاموں میں جو عادتاً انسان کی قدرت میں نہیں ہوتے، اللہ کے نبی نے صالحین سے مدد مانگی ہے اور اللہ کے بندوں نے ایسے مافوقُ الاسباب کاموں میں مدد بھی کی ہے۔ چونکہ وہ مخلوق سے مدد مانگنے میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے حاجت مند ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے اس لیے یہ استعانت شرک نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تصرف:

بعض لوگوں کو یہ پریشانی ہوتی ہے کہ کسی کو حضرت داتا گنج بخشؒ یا بابا فرید گنج شکرؒ یا کسی اور ولی کے دربار پر نہیں جانا چاہیے کیونکہ ان کے دربار پر جانا، وہاں جا کر دعا کرنا گویا اللہ تعالیٰ سے منہ موڑنے کے مترادف ہے۔ (معاذ اللہ)

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا آئینہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

﴿اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَ اُبۡرِئُ الۡاَکۡمَہَ وَ الۡاَبۡرَصَ وَ اُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَ اُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَ مَا تَدَّخِرُوۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴾

''میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے۔ اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور سفید داغ والے کو۔ اور میں مُردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو۔ بیشک ان باتوں میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو''۔ (اٰلِ عمران: ۴۹)

غور فرمائیے، ''اَکْمَہ'' اُس نابینا کو کہتے ہیں جس چہرے پر آنکھوں کی جگہ ہی نہ ہو۔ اللہ کے نبی اعلان فرما رہے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی قدرت دی ہے کہ جس کے چہرے پر آنکھیں ہی نہ ہوں، میں اسے آنکھیں دوں گا، مٹی سے بنی ہوئی مورتی کو پھونک مار کر زندہ پرندہ بنا دوں گا، جسے برص کا مرض ہو، اُسے لے آؤ، میں اُسے شفا دوں گا، تم مردہ لے آؤ تو میں اسے زندہ کر دوں گا۔

میں صرف ایک مردہ زندہ نہیں کروں گا بلکہ تم جتنے بھی مردے لے آؤ میں سب زندہ کر دوں گا، میں تمہیں نفع پہنچاؤں گا اور تم سے بیماریاں اور مصائب دور کروں گا کیونکہ میرے رب نے مجھے یہ قدرت عطا فرمائی ہے''۔

اُس وقت بھی توحید اور شرک کا تصور یہی تھا جو آج ہے۔ کسی نے یہ نہ کہا، ''مٹی کی مورتی میں جان ڈالنا، اندھوں کو آنکھیں دینا، مریضوں کو شفا دینا اور مُردوں کو زندہ کرنا یہ سب اللہ کے کام ہیں کیونکہ مافوقُ الاسباب امور ہیں اور اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی ہے اس لیے ان کے پاس نہ جاؤ، مشرک ہو جاؤ گے''۔

عام لوگوں کا ان کی طرف جانا اور حاجات پیش کرنا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان کی مشکل کشائی کرنا یقیناً کم فہم لوگوں کے بقول شرک ہونا چاہیے۔ لیکن یہ نہ تو شرک ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے منہ موڑنا، بلکہ یہ قرآنی توحید ہے کہ رب تعالیٰ کے محبوب

بندوں کے لیے رب کریم کے دیے ہوئے کمالات مانے جائیں۔

منکرین یہ نہیں سمجھتے کہ رب تعالیٰ نے خود اپنے محبوب بندوں کو مافوقُ الاسباب کمالات عطا فرمائے اور انہیں ان کمالات کے ذریعے لوگوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کا وسیلہ بنایا لہٰذا اب ان محبوب بندوں کی طاقت وقدرت ماننا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر جان کر ان سے استعانت شرک نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ان کی عظمت اور ان کے مافوقُ الاسباب کمالات بیان فرما کر اسے قیامت تک کے مومنوں کے لیے مشعلِ راہ بنا دیا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا تصرف:

اولاد دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ سورۃ مریم کی آیت ۱۹ میں حضرت جبریل علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود ہے جو انہوں نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے فرمایا،

﴿قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا﴾

''بولا، میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں''۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے حضرت جبریل علیہ السلام بھی بیٹا دیتے ہیں۔ اب بتائیے کہ کیا اس طرح بیٹا دینا کسی عام بندے کی قدرت میں ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر یقیناً جبریل علیہ السلام کا بیٹا دینا اللہ تعالیٰ کی عطا سے مافوقُ الاسباب اُمور میں مدد ہے۔

قرآن وحدیث کے روشن دلائل وبراہین کے باوجود اگر کوئی یوں کہے کہ ''پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے، یا یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی طاقت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے''۔

یہ یقیناً عظیم ظلم ہے کہ قرآن وحدیث کی روشن تعلیمات کے مطابق محبوبانِ خدا کے لیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت وقدرت تسلیم کرنے کو شرک کہا جائے حالانکہ انبیاء کرام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات وہ کام ہوتے ہیں جن پر عام انسانوں کو

قدرت نہیں ہوتی۔لہٰذا انبیاء کرام کے معجزات اور اولیاء عظام کی کرامات کو ماننا درحقیقت ''مافوقُ الاسباب'' اُمور پر ان کی قدرت تسلیم کرنا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا تصرف:

حضرت عیسیٰ، حضرت جبریل علیہما السلام اور امتِ سلیمانی کے ایک ولی کے تصرفات اوپر مذکور ہوئے۔ اب قرآن کریم سے مزید چند آیات ملاحظہ کیجیے جن سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی کائنات میں تصرف کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔

﴿وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ﴾ (الانبیاء:۷۹)

''اور داؤد کے ساتھ پہاڑ مسخر فرما دیے کہ تسبیح کرتے اور پرندے بھی''۔

﴿وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ﴾

''اور ہم نے اسے تمہارے لیے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تاکہ تمہیں (جنگ میں) زخمی ہونے سے بچائے''۔(الانبیاء:۸۰)

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌo اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِo وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌo وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِo﴾

''اور ہمارے بندے داؤد نعمتوں والے کو یاد کرو، بیشک وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے۔ بیشک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑ مسخر فرما دیے کہ تسبیح کرتے شام کو اور سورج چمکتے۔اور پرندے جمع کیے ہوئے، سب اس کے فرمانبردار تھے۔اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت اور قولِ فیصل دیا''۔(صٓ:۱۷-۲۰)

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ. وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ o اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ﴾

''اور بیشک ہم نے داؤد کو اپنا بڑا فضل دیا (کہ حکم فرمایا) اے پہاڑو! اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو، اور اے پرندو۔ اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا''۔(سبا:۱۰،۱۱، کنزالایمان)

یہ قرآنی توحید کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو مافوقُ الاسباب اُمور پر قدرت عطا فرماتا ہے لہٰذا اس قدرت کا ماننا ایمان ہے، شرک نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تصرف:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی مافوقُ الاسباب کمالات سے نوازا اور کائنات میں تصرف کی طاقت عطا فرمائی۔ آپ کے حکم سے ہوا چلتی، جنات آپ کے حکم سے عمارات تعمیر کرتے، سمندروں میں غوطہ زنی کر کے قیمتی موتی نکالتے۔ آپ کے لشکر میں انسانوں کے علاوہ جنات اور پرندے بھی تھے جو آپ کے فرمان کے تابع تھے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾

''اور جمع کیے گئے سلیمان کے لیے اس کے لشکر جنوں اور آدمیوں اور پرندوں سے، تو وہ روکے جاتے تھے (یعنی نظم وضبط کے پابند تھے)''۔(النمل:۱۷)

﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَo وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ. وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ﴾

''اور سلیمان کے لیے تیز ہوا مسخر کر دی کہ اُس کے حکم سے چلتی اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی۔ اور ہم کو ہر چیز معلوم ہے۔ اور ہم نے شیطانوں میں سے وہ مسخر کر دیے جو اس کے حکم سے (سمندروں میں) غوطہ لگاتے، اور اس کے سوا اور کام بھی کرتے، اور ہم انہیں روکے ہوئے تھے''۔(الانبیاء:۸۱،۸۲)

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُo فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ o وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍo وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِo﴾

''(حضرت سلیمان نے) عرض کی، اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو، بیشک تو ہی بڑی دین والا۔

تو ہم نے ہوا اس کے بَس میں کر دی کہ اس کے حکم سے نرم نرم چلتی جہاں وہ چاہتا۔ اور دیو بَس میں کر دیے، ہر معمار اور غوطہ خور، اور دوسرے اور (شیاطین) بیڑیوں میں جکڑے ہوئے''۔(صٓ:۳۵ تا ۳۸، کنزالایمان)

مزید یہ کہ رب تعالیٰ نے انہیں دوسروں کو نعمتیں بانٹنے کا اختیار بھی عطا فرمایا۔

﴿هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾(صٓ:۳۹)

''یہ ہماری عطا ہے اب تُو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ، تجھ پر کچھ حساب نہیں''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے ان تصرفات کے علاوہ بے مثال قوتِ سماعت بھی عطا فرمائی تھی۔ قرآن مجید میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے لشکر کے ہمراہ ایک ایسی وادی پر گزرے جہاں چیونٹیاں بکثرت تھیں، تو چیونٹیوں کی ملکہ بولی،

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ o فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا﴾

''اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ، تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں، تو اس کی بات سے مسکرا کر ہنسا''۔(النمل:۱۸، ۱۹، کنزالایمان)

کیا یہ عام انسان کی قدرت میں ہے کہ وہ تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سن سکے اور نہ صرف سنے بلکہ سمجھ بھی لے؟ پس اللہ تعالیٰ کے نبی کی غیر معمولی قوتِ سماعت، جنات و پرند اور ہوا پر حکومت، سب پر ایمان رکھنا قرآنی توحید ہے اور ان

تصرفات کا انکار قرآنِ عظیم کا انکار ہے۔

حضرت ابراهیم علیہ السلام کا تصرف:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں دِکھا دیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ﴾(الانعام:۷۵)

''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، اور اس لیے کہ وہ عینُ الیقین والوں میں ہو جائے''۔(کنزالایمان)

اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تمام چیزوں کے ظاہر اور باطن ظاہر فرما دیے اور کسی مخلوق کا کوئی عمل ان سے مخفی نہ رہا۔(تفسیر ابن ابی حاتم)

حضرت مجاہد اور سعید بن جُبیر رحمہما اللہ کہتے ہیں، آپ کے لیے آسمان ظاہر کر دیے گئے یہاں تک کہ آپ نے عرش و کرسی اور آسمانوں کے تمام عجائب دیکھ لیے اور پھر زمین کھول دی گئی یہاں تک کہ آپ نے زمینوں کے تمام عجائب دیکھ لیے۔

(تفسیر خزائن العرفان، ملخصاً)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عام لوگ بھی کائنات کے بعض اسرار پر آگاہ ہوتے ہیں لیکن اس عالَمِ خَلق کی ہر شے میں خواہ وہ جنس ہو یا نوع ہو یا صنف ہو یا شخص ہو، ان سب میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کے جو آثار موجود ہیں، ان سے جس طرح اکابر انبیاء کرام واقف ہوتے ہیں، وہ آگہی کسی اور کو حاصل نہیں ہوتی۔(تفسیر کبیر)

مقامِ غور ہے کہ جب ہر ظاہر و مخفی چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے کر دی گئی اور کچھ بھی آپ سے چھپا نہ رہا تو امام الانبیاء سیدِ عالم ﷺ کے علم سے کوئی چیز کیونکر مخفی

رہ سکتی ہے!!!

حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن آقا مولیٰ ﷺ نے نمازِ فجر پڑھائی۔ پھر فرمایا، میں نے اپنے رب کو نہایت حسین صورت میں دیکھا۔ اُس نے پوچھا، مقرب فرشتے کس بارے میں بحث کررہے ہیں؟

میں نے عرض کی، اے رب! تو ہی خوب جانتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں پائی۔

﴿فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

''پس میں نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو جان لیا''۔

پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی،

﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ (ترمذی، مسند احمد بسندِ صحیح)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ساری کائنات دیکھ لینا یقیناً اُن کے فوقُ الاسباب کمالات کی ایک روشن دلیل ہے جو کہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک اور محبوب بندے حضرت ذوالقرنین کو بھی زمین میں تصرف کی قدرت عطا فرمائی جس کا ذکر قرآن عظیم میں یوں ہے،

﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾ (الکہف:۸۴)

''بیشک ہم نے اسے زمین میں قابو دیا اور ہر چیز کا ساز و سامان عطا فرمایا''۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تصرف:

سورہ یوسف میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں پہچان لیا تو آپ نے ان سے اپنے والد کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ آپ کی جدائی میں روتے روتے ان کی بینائی چلی گئی ہے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے

انہیں اپنی قمیص دی اور فرمایا،

﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا﴾

''میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، ان کی آنکھیں دیکھنے لگیں گی''۔ (یوسف:۹۳)

﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ﴾

''پھر جب قافلہ مصر سے جدا ہوا، یہاں ان کے والد نے کہا، بیشک مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھیا گیا ہے۔ بیٹے بولے، خدا کی قسم! آپ اپنی اُسی پرانی خودرفتگی (محبت) میں ہیں''۔ (یوسف:۹۴،۹۵)

﴿فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا﴾

''پھر جب خوشی سنانے والا آیا، اُس نے وہ کرتا یعقوب کے منہ پر ڈالا، اُسی وقت اُن کی آنکھیں پھر آئیں (دیکھنے لگیں)''۔ (یوسف:۹۶، کنزالایمان)

کیا کسی عام شخص کی قمیص سے کھوئی ہوئی بینائی دوبارہ مل سکتی ہے؟ یقیناً نہیں۔ پھر ماننا پڑے گا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم کی برکت سے ان کی قمیص آنکھوں کی بینائی کا وسیلہ بن گئی، بلاشبہ یہ مافوقُ الاسباب اُمور میں مدد ہے۔

سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا تصرف:

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطا سے اُس کی نعمتیں تقسیم فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا،

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝﴾

''اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ و رسول نے ان کو دیا اور کہتے، ہمیں اللہ کافی ہے، اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول، ہمیں اللہ ہی

کی طرف رغبت ہے''۔(التوبۃ:۵۸،۵۹،کنز الایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ﴾ کہنا بارگاہِ الٰہی میں اُنہی کا مقبول ہے جو حضور ﷺ کو نعمتیں دینے والا مانتے ہیں اور اللہ ورسول کا فضل ایک ہی سمجھتے ہیں۔

﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (التوبۃ:۷۴)

''اور اُنہیں کیا بُرا لگا یہی نا کہ اللہ ورسول نے اُنہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا''۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کا ذکر ہے اور ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ میں ضمیر واحد مذکور ہے۔اس سے بھی ثابت ہوا کہ رسولِ کریم ﷺ کا غنی فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کا غنی فرمانا ہے اور اللہ ورسول ﷺ دونوں کا فضل ایک ہی ہے۔

رحمتِ عالم ﷺ کے تصرف واختیار کے متعلق یہ احادیث ملاحظہ کیجیے۔

﴿اِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ﴾

''مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرما دی گئیں''۔(بخاری،مسلم)

﴿لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیَ جِبَالُ الذَّهَبِ﴾

''میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں''۔(مشکوٰۃ)

سرکارِ دو عالم ﷺ نے سورج گرہن کی نماز پڑھی۔صحابہ نے عرض کی،ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنی جگہ کھڑے کوئی چیز پکڑی۔حضور ﷺ نے فرمایا،

﴿اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ عُنْقُوْدًا وَّلَوْ اَصَبْتُهٗ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا﴾

''میں نے جنت کو دیکھا اور اس میں سے انگور کا ایک گچھا توڑنا چاہا،اگر میں وہ لے لیتا تو تم اسے رہتی دنیا تک کھاتے رہتے''۔(بخاری ابواب الکسوف)

آقا کریم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے،﴿اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ یُعْطِیْ﴾

''بیشک میں تقسیم کرتا ہوں اور اللہ مجھے عطا کرتا ہے''۔(بخاری،مسلم)

صحابہ کرام کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آقا ومولیٰ ﷺ رب کریم کی عطا سے تمام نعمتیں

عطا فرما سکتے ہیں خواہ وہ تحتُ الاسباب ہوں یا فوقُ الاسباب۔اسی لیے انہوں نے رحمتِ عالم ﷺ سے مافوقُ الاسباب نعمتیں مانگیں اور حضور ﷺ نے عطا فرمائیں۔

مثلاً ایک لمحہ میں قوتِ حافظہ عطا کرنا، لاعلاج مرض سے بغیر دوا کے شفا دینا، لعابِ دہن لگا کر ٹوٹی ہڈی جوڑ دینا، بغیر بادل کے بارش برسانا، بصارت لوٹا دینا، انگلیوں سے پانی کا فوارہ جاری کرنا،تھوڑے سے کھانے کو زیادہ بنا دینا وغیرہ، یہ ساری چیزیں عادۃً انسانی قدرت سے باہر ہیں لیکن صحاح ستہ کی احادیث گواہ ہیں کہ حضور ﷺ سے یہ چیزیں مانگی گئیں اور آپ کے وسیلے سے صحابہ کرام کو یہ چیزیں ملیں۔

رسولِ معظم ﷺ نے کبھی یہ نہیں فرمایا،''اے صحابہ!تم نے مجھ سے ایسی چیزیں مانگی ہیں جن پر صرف اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے اس لئے تم مشرک ہوگئے۔تمہارے لیے تجدیدِ ایمان ضروری ہے''۔

کیا آج کے توحید کے علمبردار (معاذ اللہ) حضورِ اکرم ﷺ سے بھی زیادہ توحید کی حقیقت سے واقف ہیں؟ عالم تو درکنار کوئی جاہل مسلمان بھی کبھی ایسی بات نہیں سوچ سکتا۔(مزاراتِ اولیاء اور توسل،ملخصاً)

صحابہ کرام کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ نبی کریم ﷺ جسے چاہیں جنت عطا فرما سکتے ہیں۔

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں آقا کریم ﷺ کے لیے وضو اور دیگر ضرورت کے لیے پانی لے کر حاضر ہوا تو مختارِ کل سید عالم ﷺ نے فرمایا،

﴿سَلْ. فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ فَقَالَ اَوْ غَیْرَ ذٰلِكَ﴾

مانگ جو چاہے۔میں نے عرض کی، میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔آپ نے فرمایا،اس کے سوا اور کچھ؟ عرض کی،بس میرے لیے یہی کافی ہے۔فرمایا،تم سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو۔(مسلم کتاب الصلوٰۃ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، آقا ومولیٰ ﷺ نے مطلقاً فرمایا،

سَلْ۔ مانگ۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رب کریم نے آپ کو تمام خزانے تقسیم کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)

محدث علی قاری حنفی رحمہ اللہ ''سَلْ'' کی شرح میں لکھتے ہیں، اَیْ اُطْلُبْ مِنِّی حَاجَۃ۔ یعنی مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو۔ ارشاد مطلق ہے یعنی خواہ تمہاری حاجت اسباب کے تحت ہو یا فوق الاسباب، مجھ سے مانگو میں ربِ قدیر کی عطا سے تمہیں عطا کروں گا کیونکہ رب نے مجھے اپنی نعمتوں کا مالک ومختار بنایا ہے۔

ایک اور موقع پر آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا، میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ یہ سنتے ہی حضرت عُکاشہ رضی اللہ عنہ فوراً کھڑے ہوگئے اور عرض کی، ﴿اَمِنْهُمْ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ. قَالَ نَعَمْ﴾

یارسول اللہ ﷺ! مجھے بھی ان لوگوں میں سے کر دیجیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں تم اُن میں ہوگے۔ پھر ایک اور صحابی نے بھی یہی عرض کی تو آقا کریم ﷺ نے فرمایا، ﴿سَبَقَکَ بِهَا عُکَّاشَةُ﴾ عکاشہ تم پر بازی لے گئے۔ (بخاری کتاب الطب)

حضور ﷺ کا بعد وصال تصرف:

شیطان کسی شخص کے دل میں یہ وسوسہ نہ ڈالے کہ یہ تمام کمالات نبی کریم ﷺ کو ظاہری حیات میں حاصل تھے اب تو ان کا وصال ہو چکا۔

پہلی بات یہ ہے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ انبیاء ظاہری وصال کے بعد بھی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور اپنی امت کے احوال پر آگاہ ہوتے ہیں، دوسری بات یہ کہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ روز بروز آپ ﷺ کے درجے بلند کرے گا اور آپ کے کمالات میں ہر آنے والے لمحہ میں ترقی ہوتی رہے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی﴾ (الضحیٰ:۴)

''ہر پچھلی ساعت آپ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے''۔

استاذی ومرشدی علامہ سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی فرماتے ہیں،

اسی آیت کریمہ کا تقاضا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو جو حیات، سماعت، بصارت، علم، قدرت واختیار اور دیگر کمالات ظاہری حیاتِ طیبہ میں حاصل تھے، وہ وصال کے بعد بھی حاصل رہیں بلکہ ان مراتب اور کمالات میں مزید ترقی ہو۔ (انوار القرآن)

صحابہ وتابعین اور صالحین کا یہی عقیدہ تھا اسی لیے وہ آقا کریم ﷺ کے وصال کے بعد بھی آپ کو پکارتے اور آپ ﷺ کے وسیلہ سے ان کی حاجت روائی ہوتی۔ اس بارے میں متعدد مستند احادیث پہلے مذکور ہو چکیں۔ اہلِ ذوق امام یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمہ اللہ کی کتاب ''حجۃ اللہ علی العالمین'' کا مطالعہ فرمائیں۔

اب ہم بعض احادیث کا ذکر کریں گے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد بھی صحابہ کرام آپ کے تبرکات کو شفا اور برکت کے حصول کے لیے وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ کوئی ایک صحابی بھی اس توسل اور استعانت کو شرک نہیں کہتا تھا بلکہ اس کے جواز پر تمام صحابہ کرام کا اتفاق تھا۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس آقا ومولیٰ ﷺ کا پیالہ مبارک تھا۔ وہ ٹوٹ گیا تو آپ نے ٹوٹی جگہ پر چاندی کا پترا لگوایا۔ راوی کہتے ہیں، میں نے اس پیالے کی زیارت کی ہے اور اس میں پانی بھی پیا ہے۔ (بخاری کتاب الجہاد والسیر)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دو جوتے نکال کر دکھائے جن میں سے ہر ایک میں دو تسمے تھے۔ ثابت بنانی رحمہ اللہ راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا، ﴿اَنَّهُمَا نَعْلَا النَّبِیِّ ﷺ﴾
''یہ نبی کریم ﷺ کے نعلین مبارک ہیں''۔ (بخاری کتاب الجہاد والسیر)

آقا ومولیٰ ﷺ کے نعلین مبارک کو محفوظ رکھنا اور تابعین کو ان کی زیارت کرانا صحابہ وتابعین کی جانِ کائنات ﷺ سے محبت کی نشانی ہے۔

☆ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس نورِ مجسم ﷺ کا جُبّہ مبارک تھا۔ وہ فرماتی ہیں،

﴿كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى يُسْتَشْفٰى بِهَا﴾

''اس جُبہ کو نبی کریم ﷺ پہنتے تھے اب ہم اسے دھو کر اسکا پانی مریضوں کو پلاتے ہیں اور اس کی برکت سے انہیں شفا مل جاتی ہے''۔ (صحیح مسلم کتاب اللباس)

☆ حضرت عثمان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے ایک پیالہ میں پانی دے کر حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ انکے پاس چاندی کی ایک ڈبیا میں سرکارِ دوعالم ﷺ کے موئے مبارک رکھے ہوئے تھے۔ ﴿فِيْهِ شَعَرٌ مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ اِذَا اَصَابَ الْاِنْسَانَ عَيْنٌ اَوْ شَيْءٌ بَعَثَ اِلَيْهَا مِخْضَبَةً﴾

جب کسی کو نظر لگ جاتی یا کوئی اور تکلیف ہوتی تو وہ موئے مبارک نکال کر اس پانی میں ہلاتیں اور پھر وہ پانی مریض کو پلا دیا جاتا۔ (بخاری کتاب اللباس)

☆ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آقا و مولیٰ ﷺ نے عمرہ کے بعد بال مبارک اتروائے تو میں نے آپ کی مبارک پیشانی کے بال حاصل کر لیے۔

﴿فَجَعَلْتُهَا فِىْ هٰذِهِ الْقَلَنْسُوَةِ لَمْ اَشْهَدْ قِتَالاً وَّهِىَ مَعِىَ اِلَّا رُزِقْتُ النَّصْرَ﴾

اور انہیں اپنی ٹوپی میں رکھ لیا۔ میں جس جنگ میں جاتا ہوں، اِن بالوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ فتح عطا فرماتا ہے۔ (مستدرک، بیہقی، طبرانی، حجۃ اللہ علی العالمین)

یقیناً لباس اور بالوں سے شِفا حاصل کرنا عام اسباب کے لحاظ سے ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لباس اور بالوں کو شفا کے لیے تخلیق نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر شخص کے لباس اور بالوں سے شفا حاصل کی جاتی۔ پس ان احادیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کا سرکارِ دوعالم ﷺ کے لباس اور بال مبارک سے شفا حاصل کرنا درحقیقت نبی کریم ﷺ سے اُن کے وصال کے بعد مافوقُ الاسباب اُمور میں استعانت ہے۔

☆☆☆☆

﴿......باب ششم......﴾

اولیاء اللہ سے استعانت:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾

''قسم ہے اُن کی جو کائنات کے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں''۔ (النازعات: ۵)

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی، علامہ بیضاوی، علامہ اسماعیل حقی، علامہ سید محمود آلوسی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہم اللہ اپنی اپنی تفاسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''اس آیت میں کائنات کے کاموں کی تدبیر کرنے والے جن نفوس کا ذکر ہے وہ اولیاء کرام کی ارواح ہیں جو وصال کے بعد دریائے ملکوت میں غوطہ زنی کرتی ہوئی بارگاہِ قدس کے مخصوص مقامات تک پہنچ جاتی ہیں اور اپنی روحانی طاقت کے باعث کاروبارِ عالم کی تدبیر کرنے والوں میں سے ہو جاتی ہیں''۔

تفسیر روح المعانی میں ہے، ''اسی لیے کہا گیا ہے کہ جب تمہیں مشکلات پیش آئیں تو اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر مدد طلب کیا کرو''۔

رب تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے، ﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا﴾

''قسم اُن فرشتوں کی جو رزق تقسیم کرتے ہیں''۔ (الذّٰریات: ۴)

کائنات کے اُمور کی تدبیر کرنا اور رزق تقسیم فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے لیکن اس نے اپنے بندوں کی طرف ان افعال کو منسوب کیا تاکہ ان بندوں کی شان معلوم ہو اور یہ بھی کہ رب تعالیٰ کی عطا سے اس کے محبوب بندوں کا مدد کرنا اور نعمتیں دینا دراصل اُسی کا مدد کرنا اور نعمتیں عطا کرنا ہے۔

مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے، ''طریقت کے پیشوا اور ان کے اکابرین ان ملائکہ میں شامل ہیں جو کائنات کا نظام چلاتے ہیں پس ان اولیاء کرام کو ان ملائکہ پر قیاس کرنا چاہیے''۔ (صراطِ مستقیم فارسی: ۱۳۶)

اہلسنت کے امام، نامور محدث شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی عقیدہ کی بہترین ترجمانی فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں،

''حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جس سے اس کی زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاتی ہے۔

ایک عظیم بزرگ نے فرمایا، ''میں نے چار مشائخ کو اپنی قبروں میں اس طرح تصرف کرتے ہوئے دیکھا جس طرح وہ اپنی زندگی میں تصرف کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ ان میں شیخ معروف کرخی، سید عبدالقادر جیلانی، اور دو بزرگ (شیخ عقیل منجی اور شیخ حیات بن قیس حرانی) ہیں (رحمہم اللہ تعالیٰ)''۔

اسکا یہ مطلب نہیں کہ صرف یہی چار بزرگ اپنی قبروں میں تصرف کرتے ہیں بلکہ جو کچھ انہوں نے دیکھا وہی بیان کر دیا۔

سیدی احمد بن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ جو دیارِ مغرب کے اکابر فقہا و علماء و مشائخ میں سے ہیں، فرماتے ہیں، ایک دن شیخ ابوالعباس حضرمی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ زندہ کی امداد قوی ہے یا مردہ کی؟ میں نے کہا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ وفات یافتہ کی مدد زیادہ قوی ہے۔ شیخ نے فرمایا، ''ہاں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسکے پاس ہے''۔

اس بارے میں صوفیاء کرام سے اس قدر روایات منقول ہیں کہ شمار سے باہر ہیں پھر کتاب وسنت اور اقوال صالحین میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس عقیدہ کے منافی اور مخالف ہو۔ (اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور ج ا ص ۷۱۵)

مزارات سے توسل:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء:۶۴)

صدرُ الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت رقمطراز ہیں، ''اس سے چند مسائل معلوم ہوئے:-

☆ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرضِ حاجت کے لیے اُس کے مقبول بندوں کو وسیلہ بنانا ذریعۂ کامیابی ہے۔

☆ قبر پر حاجت کے لیے جانا بھی ﴿جَآءُوْكَ﴾ میں داخل اور خیرُ القرون کا معمول ہے۔

☆ بعد وفات مقبولانِ حق کو حرف ''یا'' کے ساتھ ندا کرنا جائز ہے۔

☆ مقبولانِ حق مدد فرماتے ہیں اور اُن کی دعا سے حاجت روائی ہوتی ہے''۔

(تفسیر خزائن العرفان)

بعض لوگ توسل کے انکار پر یہ حدیث بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا، ''ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی ساری حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگے یہاں تک کہ نمک بھی اسی سے مانگے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اسی سے مانگے''۔ (ترمذی)

اس حدیث پاک کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی حاجت روا اور مشکل کشا ہے اور سب چھوٹی بڑی حاجتیں اسی سے مانگنی چاہئیں۔ الحمد اللہ! اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔ ہم ہر حاجت اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں۔ انبیاء کرام اور اولیاء کرام و صالحین تو سبب اور وسیلہ ہیں۔ جو لوگ استمدادِ اولیاء اور توسل کے منکر ہیں، کیا وہ دنیاوی اسباب اور لوگوں سے مختلف حاجات میں مدد نہیں مانگتے؟ جب اس حدیث پاک میں زندہ یا فوت شدہ کا ذکر نہیں کیا گیا تو زندوں سے مدد مانگنا کیونکر جائز ہوگا؟ اس موضوع پر پہلے ہی تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

اکابر صحابہ کرام کے شاگرد، جلیل القدر تابعی حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اچانک ان کی زبان کو فالج ہو گیا۔

﴿فَكَانَ يَقُوْمُ كَمَا هُوَ حَتّٰى يَضَعَ خَدَّهٗ عَلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ﴾

وہ جس حالت میں تھے، فوراً اُٹھے اور اپنا رخسار نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر پر رکھ دیا۔ جب واپس آئے تو کسی نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا،

﴿اِنْ يُصِيْبُنِىْ خَطَرٌ فَاِذَا وَجَدْتُ ذٰلِكَ اِسْتَعَنْتُ بِقَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ﴾

جب بھی مجھے کوئی مصیبت پہنچتی ہے جیسے کہ اب پہنچی تو میں آقا کریم ﷺ کے روضۂ انور سے مدد چاہتا ہوں۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۶:۱۵۹)

حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ جو امام اعظم، امام مالک، امام جعفر صادق اور کثیر محدثین رحمہم اللہ کے استاد ہیں اور صحاح ستہ کے راوی ہیں، وہ یقیناً قرآن و حدیث کا بہترین فہم رکھتے تھے اور ﴿اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کا معنی خوب اچھی طرح سمجھتے تھے، انہوں نے روضۂ رسول ﷺ سے توسل کر کے اپنا عقیدہ واضح کیا۔

آپ کا ایک اور عمل محدثین نے لکھا ہے کہ آپ مسجد نبوی کے صحن میں ایک خاص جگہ پر لیٹتے اور لوٹتے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا، ''میں نے خواب میں اس جگہ رسولِ کریم ﷺ کو تشریف فرما دیکھا ہے''۔ (وفاء الوفا ج ۲:۴۴۵)

گویا وہ آقا و مولیٰ ﷺ کے بیٹھنے کی جگہ سے اپنا جسم مَس کر کے برکت حاصل کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضور اکرم ﷺ کے منبر شریف پر بیٹھنے کی جگہ اپنے ہاتھ پھیرتے اور پھر اپنے چہرے پر مل لیتے۔ (کتاب الشفا)

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں سے توسل کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان سے درخواست کی جائے کہ وہ رب تعالیٰ سے ہماری مشکل کشائی کے لیے دعا کریں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان کے وسیلے سے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں تا کہ ہماری حاجت پوری ہو۔ ایک اور صورت یہ ہے کہ ہم ان کے مزارات کے قرب سے برکت اور فیض حاصل کریں۔

پہلی صورت کے ثبوت میں سورۃ النساء کی آیت ۶۳ اور وہ احادیث ہیں جن میں

روضۂ رسول پر حاضر ہو کر بارش یا مغفرت کا سوال کیا گیا۔ دوسری صورت کے ثبوت میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۹ اور وہ احادیث ہیں جن میں نبی کریم اور دیگر انبیاء و صالحین کے وسیلے سے دعا مانگی گئی۔ تیسری صورت کے متعلق محمد بن منکدر رحمہ اللہ کا واقعہ مذکور ہوا۔ اب آیات و احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے۔

﴿تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾

''مجھے مسلمان اُٹھا اور اُن سے ملا جو تیرے قربِ خاص کے لائق ہیں''۔

(یوسف:۱۰۱، کنز الایمان)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے وصال سے قبل حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ وصیت فرمائی کہ مجھے حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام کے پاس دفن کیا جائے۔ چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو ملک شام میں ان کے پاس دفن کیا گیا۔

(تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر، زیرِ آیت ھٰذا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انہیں بیت المقدس کے قریب وفات دے۔ (بخاری کتاب الجنائز، مسلم باب فضائل موسیٰ)

اس حدیث کی شرح میں امام عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

''اس دعا کا سبب یہ ہے کہ ارضِ مقدس انبیاء و صالحین کا مدفن ہونے کی وجہ سے فضیلت پا چکی۔ انہوں نے زندگی و موت میں نیکوں کا پڑوس پسند کیا۔

﴿لِاَنَّ النَّاسَ يَقْصُدُوْنَ الْمَوَاضِعَ الْفَاضِلَةَ وَيَزُوْرُوْنَ قُبُوْرَهَا وَيَدْعُوْنَ لِاَهْلِهَا﴾

لوگ ایسی فضیلت والی جگہوں پر جاتے ہیں اور ان کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور ان کے وسیلہ سے دعائیں مانگتے ہیں''۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری)

بیت المقدس کے بابرکت ہونے کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوا،

﴿الَّذِىْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ (بنی اسرائیل:۱)

''(بیت المقدس) جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں''۔

اس آیت کی تفسیر میں شبیر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں، ''روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ مقام کتنے انبیاء اور رُسل کا مسکن و مدفن اور ان کے فیوض و انوار کا سرچشمہ رہا ہے''۔(موضح القرآن)

تھانوی صاحب نے بھی اس آیت کے تحت یہی لکھا ہے، ''دینی برکت یہ کہ وہاں بکثرت انبیاء مدفون ہیں''۔(بیان القرآن)

پس قرآن کریم سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام کے مزارات برکتوں والے ہیں۔

شیخ المحدثین امام حُمیدی نے حاکمِ وقت کو وصیت کی کہ مجھے حضرت بشر حافی رحمہما اللہ کے پاس دفن کرنا۔ اس نے ایسا نہ کیا تو کچھ عرصہ بعد آپ اس کے خواب میں آئے اور اسے ملامت کی۔ اس پر بادشاہ نے انہیں قبر سے نکال کر وہاں دفن کیا۔ جب قبر سے نکالا تو دیکھا کہ کفن نیا تھا، بدن تر و تازہ تھا اور اس سے خوشبو آ رہی تھی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۶: ۱۵۵)

غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اگر کسی کو زندگی میں ولی کے مزار سے کوئی نفع نہیں ہوتا تو اسے موت کے بعد ولی کے مزار کے قریب جانے کی کیا ضرورت ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اولیاء اللہ کی بڑی برکتیں ہیں۔ ان کے راستے کو قرآن نے صراطِ مستقیم فرمایا، اسی لیے ہم ہر نماز میں ان کے راستے پر چلنے کی دعا مانگتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہو جانے کا حکم دیا گیا اور ہمیں یہ دعا بھی سکھائی گئی، ﴿وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾

''اور ہماری موت اچھوں کے ساتھ کر''۔(الِ عمران: ۱۹۳)

تاکہ ان نیک لوگوں کی برکت سے ہمیں بھی مغفرت اور جنت نصیب ہو جائے۔

کیا تعظیم شرک ہے؟

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

اَلْعِبَادَةُ اَقْصَی الْخُضُوْعِ وَالتَّذَلُّلِ.

عبادت عاجزی و انکساری کا انتہائی درجہ ہے۔(تفسیر مظہری)

علامہ راغب اصفہانی، المفردات صفحہ ۵۴۲ پر لکھتے ہیں،

اَلْعُبُوْدِیَةُ: اِظْهَارُ التَّذَلُّلِ ، وَالْعِبَادَةُ اَبْلَغُ مِنْهَا، لِاَنَّهَا غَایَةُ التَّذَلُّلِ،

''عبودیت یعنی بندگی سے مراد عاجزی و انکساری کا اظہار ہے اور عبادت عاجزی و انکساری کی بلندترین کیفیت ہے''۔

رسول معظم ﷺ کا ارشاد ہے، مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ۔(بیہقی، مشکوٰۃ)

''جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اُسے بلند فرما دیتا ہے''۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لیے بھی تواضع اور تعظیم ہے مگر انتہائی درجہ کی تواضع اور تعظیم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر کا رب تعالیٰ نے بارہا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہوا،

﴿وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ (الفتح: ۹)

''اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو، اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو''۔(کنزالایمان)

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۵۷)

''تو وہ جو اُس پر ایمان لائیں اور اُس کی تعظیم کریں، اور اُسے مدد دیں، اور اُس نور کی پیروی کریں جو اُس کے ساتھ اُترا، وہی بامراد ہوئے''۔(کنزالایمان)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیام یعنی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہوتا ہے اس لیے روضۂ نبوی ﷺ پر یا اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کے مزار پر قیام کرنا شرک ہے۔ یہ بات قطعاً صحیح نہیں۔

اگر نماز میں قیام کی بناء پر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ نماز کے علاوہ کسی کے لیے تعظیماً قیام

کرنا شرک ہے تو پھر نماز میں تو قعدہ بھی کیا جاتا ہے تو کیا یونہی بیٹھنے کی حالت کو بھی عبادت قرار دیا جائے گا؟ نماز میں قومہ کی حالت میں ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں تو پھر تو ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہونا بھی عبادت ہونا چاہیے۔سجدوں کے درمیان دوزانو بیٹھتے ہیں، پھر تو یہ حالت بھی عبادت ہونی چاہیے۔ایسا ہرگز نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ: ﴿اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ﴾ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔پس اگر قیام عبادت کی نیت سے ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے شرک ہوگا اور اگر رسول معظم ﷺ یا کسی ولی کی تعظیم کی نیت سے ہو تو پھر شرک نہیں ہوسکتا۔ ہاں، سابقہ امتوں میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا، اب وہ بھی حرام ہے۔

کسی بندے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تعظیم کے لیے صحابہ کو کھڑے ہونے کا حکم دیا،

قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ۔اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

(بخاری کتاب المغازی، مسلم کتاب الجہاد)

کسی کی محبت میں کھڑے ہو جانا بھی آقا و مولیٰ ﷺ کی سنت ہے۔آپ اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور انہیں اپنی جگہ بٹھاتے۔اسی طرح جب حضور وہاں جاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں۔

(ترمذی کتاب المناقب، ابوداؤد کتاب الادب)

جس طرح بغیر نیت کے محض نماز جیسی حرکات عبادت نہیں ہوسکتیں اسی طرح بغیر اعتقاد کے محض کوئی عمل عبادت نہیں ہوسکتا۔پس مسلمانوں کا کسی مزار پر تعظیم یا محبت میں باادب کھڑے ہونا ہرگز عبادت یا شرک نہیں ہوسکتا، جبکہ رسول کریم ﷺ کے روضۂ اقدس پر تعظیم سے کھڑا ہونے کا فقہاء نے یوں حکم دیا ہے۔

۱۔ یَقِفُ کَمَا یَقِفُ فِی الصَّلٰوۃِ۔وہاں ایسے کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔

۲۔وَاضِعاً یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ۔''دست بستہ دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر کھڑا ہو''۔

(۱۔فتاویٰ عالمگیری ج۱:۲۶۵.....۲۔لباب المناسک:۵۰۸)

مزاراتِ اولیاء پر حاضری کے لیے جانا اور وہاں باادب کھڑے ہو کر دعا مانگنا اکابر محدثین کا عقیدہ ہے۔محدث محمد بن مؤمل فرماتے ہیں کہ ہم امام المحدثین ابوبکر بن خزیمہ رحمہما اللہ کے ساتھ نکلے اور ہمارے ساتھ محدثین کی ایک بڑی جماعت بھی تھی۔ہم امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم رحمہما اللہ تعالیٰ کے مزار پر گئے۔

فَرَاَیْتُ مِنْ تَعْظِیْمِہٖ یَعْنِیْ ابْنَ خُزَیْمَۃَ لِتِلْکَ الْبُقْعَۃِ وَتَوَاضُعِہٖ لَھَا وَتَضَرُّعِہٖ عِنْدَھَا مَا تَحَیَّرْنَا۔(تہذیب التہذیب ج۷:۳۸۸)

''میں نے امام ابن خزیمہ کو دیکھا کہ انہوں نے مزار کی تعظیم کی اور اس کے لیے تواضع کی اور اس کے پاس تضرع کیا، اس سے ہم حیران رہ گئے''۔

یعنی اتنے بڑے امام نے ایک ولی کے مزار پر اس قدر تواضع اور عاجزی کی کہ ہم صاحبِ مزار سے ان کی محبت دیکھ کر حیران رہ گئے۔اس سے ثابت ہوا کہ محدثین کے نزدیک مزار کی تعظیم، وہاں تواضع اور تضرع جائز ہے، شرک نہیں۔

شعائر اللّٰہ:

اُستاذی ومرشدی علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ اپنی مایہ ناز کتاب ''مزاراتِ اولیاء اور توسل'' میں فرماتے ہیں، ''شعائر اللہ'' وہ نشانیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی پہچان ہو اور معرفتِ الٰہی حاصل ہو۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ﴾

''بیشک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے ہیں''۔(البقرہ:۱۵۸، کنزالایمان)

صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ علیہا السلام دوڑی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبوب بندی کے قدموں کی برکت سے وہ جگہ ایسی برکت والی ہوگئی کہ

بیت اللہ کا طواف کرنے والوں کو اس کا بھی ''طواف'' یعنی سعی کرنے کا حکم دے دیا گیا اور یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑیوں کو اپنی نشانیاں قرار دے دیا۔

ثابت ہوا کہ جس جگہ کو اولیاء و صالحین سے نسبت ہو جائے وہ عظمت و برکت والی بن جاتی ہے اور شعائرُاللہ قرار پاتی ہے۔

وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے کے مبارک قدم لگ جانے کے باعث اتنا مقدس اور محترم ہو گیا کہ اسے خانۂ کعبہ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ رب تعالیٰ نے اسے اپنی واضح نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا۔ (آل عمران: ۹۷) اور اس کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

ارشاد ہوا، ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾

''اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ''۔ (البقرہ: ۱۲۵)

شعائرُاللہ کی تعظیم سے متعلق باری تعالیٰ کا ارشاد ہے،

﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج: ۳۲)

''اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے''۔

شبیر احمد عثمانی صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں،

''اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنا بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے جس کا انجام نہایت اچھا ہوگا۔ محترم چیزوں میں قربانی کا جانور، بیت اللہ، صفا، مروہ، منیٰ، عرفات، مسجدیں، قرآن بلکہ تمام احکامِ الٰہیہ آ جاتے ہیں، خصوصیت سے یہاں مسجد حرام اور ہدی کے جانور کی تعظیم پر زور دینا ہے''۔

(موضح القرآن ص ۴۳۴)

مقامِ غور ہے کہ جب صفا و مروہ کی پہاڑیاں اور قربانی کے جانور محبوبانِ خدا سے نسبت اور تعلق کی وجہ سے شعائر اللہ قرار پاتے ہیں تو پھر محبوبانِ خدا کے تبرکات و آثار

کیوں شعائر اللہ نہیں ہو سکتے؟ اسی لیے علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں، ''محبوبانِ خدا کے مزارات بھی شعائر اللہ ہیں''۔ اسی لیے انکی تعظیم بھی مستحسن و محمود اور دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے۔

علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''شعائر اللہ سے مراد وہ اشیاء ہیں جو اللہ تعالیٰ کا پتہ دیتی ہیں مثلاً اولیاء کرام اور علمائے حق شعائر اللہ ہیں، اگرچہ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں''۔ (کشف النور عن اصحاب القبور: ۲۰)

شبیر احمد عثمانی صاحب اس آیت کے تحت لکھتے ہیں،

''شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں، جس کے دل میں پرہیزگاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہوگا وہ اسکے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کرے گا۔ یہ ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اسکی طرف منسوب ہو جائے''۔ (موضح القرآن)

خلاصہ یہ ہے کہ محبوبانِ خدا کے مزارات بھی شعائر اللہ ہیں اور جس کے دل میں تقویٰ اور خوفِ خدا ہوگا وہ ضرور مزاراتِ اولیاء کا ادب کرے گا۔

قبر کی شرعی حیثیت:

غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ نے قبر کی حیثیت یہ ارشاد فرمائی،

﴿اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ﴾

''قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے''۔ (ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ)

ایک اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جب قبر میں مردہ سوالوں کے صحیح جواب دے دیتا ہے تو فرشتوں کو حکم ہوتا ہے، اس کی قبر میں جنت کا فرش بچھا دو، اور اسے جنت کا لباس پہنا دو، اور اس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دو جس سے جنت کی معطر

هوائیں آتی ہیں اوراس کی قبر حدِ نگاہ تک کشادہ کردی جاتی ہے۔

(مسند احمد، مشکوٰۃ کتاب الجنائز)

ایمان سے کہیے جو قبر جنت کا باغ ہو، اس میں جنت کا بستر ہو، میت کا لباس جنت کا ہو، وہاں جنت کی خوشبوئیں ہوں اور جنت کی ہوائیں آئیں، وہ قبر بت کی مانند ہو گی یا دنیا میں جنت کا مظہر ہوگی۔ پھر اس جنتی کی کیا شان ہوگی جس کے سبب اس قبر کو جنت کا باغ بننے کا شرف ملا۔

''ریاضُ الجنت'' کو غیب بتانے والے آقا ومولیٰ ﷺ نے جنت کا باغیچہ فرمادیا اس لیے ہر مومن اس کی زیارت اور وہاں نفل پڑھنے کی تمنا کرتا ہے تو پھر جنت کے اِس باغ یعنی اللہ کے ولی کی قبر کی زیارت کی تمنا مومن کے سینے میں کیوں نہ موجود رہے جسے نبی کریم ﷺ ہی نے جنت کا باغ فرمایا ہے۔ ممکن ہے شیطان وسوسہ پیدا کرے کہ اس قبر کے جنت کا باغ ہونے کی دلیل کیا ہے؟

جواب یہ ہے کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا، تم نے جس کی تعریف کی، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور تم نے جس کی مذمت کی، اس کے لیے جہنم واجب ہوگئی۔ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔ تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔ (بخاری، مسلم)

قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی یہ علامت بھی بیان فرمائی،

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾

''بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، عنقریب ان کے لیے رحمان (لوگوں کے دلوں میں) محبت ڈال دے گا''۔ (مریم:۹۶)

حضور ﷺ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے، فلاں بندہ میرا محبوب ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ وہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبریل آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فلاں کو محبوب

رکھتا ہے، سب اس سے محبت کریں۔ تو آسمان والے اس بندے سے محبت کرتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت عام کردی جاتی ہے۔ (بخاری، مسلم)

ثابت ہوا کہ انبیاء کرام، صحابہ واہلبیت اطہار اور اولیاء عظام کی محبت رب تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں پیدا فرمائی ہے۔ نیز سیدنا امام اعظم، سرکار غوث اعظم، داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز، مجدد الف ثانی، اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہم اللہ اور دیگر اولیاء کی مقبولیت ان کی محبوبیت کی دلیل ہے۔ گویا ان کی ولایت کی قرآنی دلیل لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ہے جبکہ ان کی ولایت کی دوسری دلیل، حدیث کی رُو سے ان کے متعلق مسلمانوں کی شہادت ہے۔ پس ان کے مزارات جنت کے باغ ہیں۔

مزارات کی تعظیم:

مزارات کا ادب واحترام احادیث سے ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو قبر کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا،

لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ اَوْلَا تُؤْذِهٖ۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ)

''اس قبر والے کو اذیت نہ دو یا اسے تکلیف نہ پہنچاؤ''۔

ایک اور حدیث پاک میں ہے، اگر تم میں سے کوئی دہکتے انگارے پر بیٹھے تو اس کے لباس کو آگ لگے گی اور اس کے جسم کو تکلیف پہنچے گی۔ یہ بات اس سے بہتر ہے کہ کوئی قبر پر بیٹھے۔ (مسلم، مشکوٰۃ باب دفن المیت)

امام ترمذی، امام حاکم اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک صحابی نے ایک جگہ اپنا خیمہ لگا لیا۔ انہیں علم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے۔ انہوں نے قبر میں کسی کو سورۃ الملک تلاوت کرتے سنا تو بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کیا۔ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا، یہ سورۃ عذاب کو روکنے والی اور نجات دینے والی ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا۔

جلیل القدر تابعی سعید بن جبیر نے فرمایا، اللہ وحدہ لاشریک کی قسم! میں نے اور حمید طویل نے ثابت بنانی رحمہم اللہ کو لحد میں اتارا تھا۔ جب ہم کچی اینٹیں برابر کر چکے تو ایک اینٹ گر گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ اکثر دعا کیا کرتے تھے، اے اللہ! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو مجھے بھی اجازت عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی۔ (حلیۃ الاولیاء)

علامہ نابلسی رحمہ اللہ ایسے متعدد واقعات تحریر کر کے فرماتے ہیں،

''ان تمام امور سے کرامت بعد از وصال کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ اسکے متعلق وہی شک کرے گا جس کا ایمان ناقص ہو، بصیرت ختم ہو چکی ہو، فضل الٰہی کے دروازے سے مردود ہو، اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں سے تعصب رکھتا ہو، اولیاء کرام کی مخالفت کے بھنور میں پھنس چکا ہو، اللہ تعالیٰ نے اسکی اہانت کی ہو اور اس پر غضب فرما کر اسے شیطان کے سپرد کر دیا ہو۔ اس لیے شیطان اس کے ساتھ کھیلتا ہے اور محبوبانِ خدا کا بغض اسکے دل میں ڈالتا ہے اور اسے اولیاء کرام، انکی کرامات اور انکے مزارات کی توہین و بے ادبی پر اکساتا ہے۔

حالانکہ جس نے علم کلام اور علم توحید پڑھا ہے وہ جانتا ہے کہ موت کے بعد ارواح کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے باوجود اسکے کہ ارواح اپنے مقام پر ہوتی ہیں جس طرح سورج کی شعاعیں زمین تک پہنچتی ہیں، اسی بناء پر قبروں کا احترام واجب ہے''۔

(کشف النور عن اصحاب القبور: ۱۷)

مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''معظماتِ دینی کی تعظیم قطعاً مطلوب ہے اور اولیاء کرام کے مزارات بلکہ عام مومنوں کی قبور بھی ضرور ادب وتکریم کی مستحق ہیں اسی لیے ان پر بیٹھنا ممنوع، چلنا ممنوع، پاؤں رکھنا ممنوع یہانتک کہ ان سے تکیہ لگانا بھی ممنوع ہے''۔ (احکامِ شریعت ص ۶۸)

مزاراتِ اولیاء پر حاضری:

امام بیہقی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ ہر سال شہدائے احد کے مزارات پر تشریف لے جاتے تھے۔ یہی معمول حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا رہا، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں جا کر دعا کرتی تھیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی دیگر صحابہ کے ساتھ انکے مزارات پر جا کر سلام کرتے اور اپنے ساتھیوں سے فرماتے، ''ان حضرات کو سلام کرو جو تمہارے سلام کا جواب دیتے ہیں''۔ (شرح الصدور ص۱۹۳، جذب القلوب ص۲۰۲)

امام ابن ابی شیبہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ ہر سال شہدائے احد کے مزارات پر تشریف لے جاتے تھے۔ (شامی باب زیارۃ القبور)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے مزارات کی زیارت اہتمام سے کرنی چاہیے جیسا کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا معمول تھا۔ (مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے جنت البقیع میں قبروں پر ہاتھ مبارک اٹھا کر تین بار دعا فرمائی۔ (مسلم)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا نبی کریم ﷺ کی سنت سے ثابت ہے اور ہرگز شرک یا بدعت نہیں۔ بلکہ حضور ﷺ کا وہاں جا کر دعا مانگنا ظاہر کرتا ہے کہ مومنوں کی قبروں کے پاس دعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے۔

''مومنوں کی قبروں کی برکت سے دعا کا قبول ہونا بعد از وصال کرامات سے ہے۔ یہ عام مومنوں کی قبروں کے بارے میں ہے، بارگاہِ الٰہی کے خواص اور مقربین کی شان تو اس سے کہیں اعلیٰ ہے''۔ (کشف النور عن اصحاب القبور ص۶)

سورہ آلِ عمران میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آتے تو وہاں بے موسم کے تازہ پھل پاتے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم دیکھ کر

آپ نے انکے پاس بیٹے کی دعا فرمائی۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ (آلِ عمران:۳۸)

''یہاں پکارا زکریا اپنے رب کو، بولا اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد، بے شک تو ہی ہے دعا سننے والا''۔(کنزالایمان)

انکی دعا فوراً قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت ہوئی۔اسکی تفسیر میں ہے،''معلوم ہوا کہ ولی کے پاس دعا مانگنا نبی کی سنت ہے اور وہ دعا زیادہ قبول ہوتی ہے خواہ زندہ ولی کے پاس دعا کرے یا ان کی قبروں کے پاس''۔(تفسیر نورالعرفان)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ''امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے، جس سے زندگی میں برکت حاصل کی جاسکتی ہے اُس سے اس کی وفات کے بعد بھی برکت حاصل کی جاسکتی ہے''۔(اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور)

اربابِ بصیرت کی گواھی:

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جو شخص جس شعبے یا جس فن میں مہارت رکھتا ہو اس شعبے یا فن میں اسکی رائے زیادہ اہم، وزنی اور فیصلہ کن ہوتی ہے۔بحرِ طریقت کے غواص اور میدانِ تصوف کے شہسوار یعنی اولیاء کرام اور صالحین وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی شان رسول کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی،''مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔(ترمذی)

یہ مقدس نفوس، عالمِ ملکوت اور عالمِ برزخ کے اسرار ورموز سے آگاہ ہوتے ہیں اس لیے اولیاء کرام کے فیوض وبرکات اور قدرت وتصرفات کو ان سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء کرام نے اولیاء کرام سے مدد حاصل کرنے کو جائز اور ثابت قرار دیا ہے۔اور یہ عقیدہ اہلِ کشف اور انکے کاملین کے ہاں محقق اور طے شدہ عقیدہ ہے۔یہانتک کہ بہت سے حضرات کو اولیاء کی ارواح سے فیوض وبرکات حاصل ہوئے ہیں''۔(اشعۃ اللمعات جلد اول باب زیارۃ القبور)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''میں نے ایک مسئلہ حل کرنے کی بڑی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔اتفاقاً ایک عزیز کے مزار مبارک کے پاس سے گزر ہوا، میں نے اس معاملہ میں اسے بھی اپنا مددگار بنایا، اس دوران عنایتِ الٰہی بھی شاملِ حال ہوئی اور معاملے کی حقیقت کو مجھ پر اچھی طرح واضح کر دیا اور حضور ﷺ کی روحانیت نے مہربانی فرمائی اور حاضر ہو کر غمگین دل کو تسلی دی''۔(مکتوبات جلد اول ص ۳۵۸)

امام ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ بھی مزاراتِ اولیاء سے توسل پر ائمہ دین کے عمل اور اہل فن کے مشاہدہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں،

''اہلِ اعتبار اور اربابِ بصیرت کے نزدیک ثابت ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت پسندیدہ عمل ہے کیونکہ اس سے عبرت کے ساتھ برکت بھی حاصل ہوتی ہے۔اولیاء کرام کی برکتوں کا سلسلہ زندگی کی طرح انکے وصال کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔چنانچہ انکے مزارات کے پاس دعا کرنا اور انکو وسیلہ بنانا ہمارے ائمہ دین اور علماء محققین کا معمول ہے''۔(المدخل ج ۱ ص ۲۴۹)

غیر مقلدین کے امام ابن تیمیہ نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور صالحین کی قبروں پر جو رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتا ہے اور اسکی بارگاہ میں انہیں جو شرف وکرامت حاصل ہے وہ اکثر لوگوں کے وہم وگمان سے بھی زیادہ ہے''۔(اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۸۴)

اب ہم اولیاء کرام اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کے تجربات و مشاہدات اور معمولات، کتاب ''مزاراتِ اولیاء اور توسل'' سے مختصراً تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (م: ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں،

''حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر قلعہ کی فصیل کے قریب ہے اور سب لوگوں کو معلوم ہے، لوگ وہاں آ کر بارش کے لیے دعا کرتے ہیں تو بارش ہوجاتی ہے''۔

(استیعاب ج ۱ ص ۴۰۴)

۲۔ ۲۷ھ میں اسلامی لشکر نے قبرص پر حملہ کیا، حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہا اس لشکر میں شامل تھیں۔ آقا کریم ﷺ نے انہیں پہلے ہی یہ غیب کی خبر دے دی تھی کہ تم اس بحری جہاد میں شریک ہوگی۔ چنانچہ قبرص فتح ہونے کے بعد آپ وہاں گھوڑے سے گر کر وفات پا گئیں اور قبرص ہی میں دفن کی گئیں۔ آپکے مزار مبارک کے فیوض و برکات کے باعث لوگ وہاں زیارت کے لیے آنے لگے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (م: ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں، ''عوام میں آپ کی قبر'' قبر المراۃ الصالحہ'' یعنی ''صالحہ خاتون کی قبر'' کے نام سے مشہور ہوگئی اور لوگ وہاں جا کر جو دعا کرتے وہ قبول ہوتی''۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۵۳)

۳۔ امام شافعی رحمہ اللہ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر مبارک کی زیارت کرتا ہوں۔ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کے مزار پر جاتا ہوں اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتا ہوں تو میری حاجت فوراً پوری ہوجاتی ہے''۔ (الخیرات الحسان ج ۱ ص ۳۸)

یہی بات خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے بھی لکھی ہے۔ (تاریخ بغدادی ج ۱ ص ۱۲۳)

۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں، ''امام شافعی رحمہ اللہ کا مزار مبارک قرافہ (مصر) میں ہے۔ لوگ اسکی زیارت کے لیے آتے ہیں اور اسکی

برکت حاصل کرتے ہیں''۔ (مقدمہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)

۵۔ محدث علی قاری حنفی رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں، ''امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مزار مبارک بغداد میں مشہور و معروف ہے۔ لوگ آپکے مزار شریف کی زیارت کرتے ہیں اور اس سے برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۲)

۶۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''امام شافعی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کا مزار دعا کی قبولیت کے لیے تجربہ شدہ تریاق ہے''۔

(اشعۃ اللمعات جلد اول باب زیارۃ القبور ص ۷۱۵)

امام شافعی رحمہ اللہ کے اس فرمان سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ بزرگانِ دین کے مزارات پر کثرت سے جایا کرتے۔ جب آپ کی کثیر دعائیں قبول ہوئیں تو آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ جگہ دعا کی قبولیت کے لیے اکسیر ہے پھر آپ نے لوگوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا تاکہ وہ بھی اس مزار مبارک کی برکتوں سے فیض پائیں۔

۷۔ محدث ابوحاتم رحمہ اللہ (م ۳۲۷ھ) امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی برکتوں کے متعلق فرماتے ہیں، ''شہر طوس میں قیام کے دوران مجھے جب بھی کوئی مشکل یا پریشانی پیش آئی، میں نے امام علی رضا رحمہ اللہ کے مزار پر حاضری دی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مشکل یا پریشانی دور ہوجائے۔ میری وہ دعا ضرور قبول ہوئی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے میں نے بار بار آزمایا''۔ (کتاب الثقات)

۸۔ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۵ھ) فرماتے ہیں، ''حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۱ھ) بزرگ ترین مشائخ میں سے تھے، آپ کی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔ آپکے مزار مبارک کے توسل سے لوگ شفا پاتے ہیں۔ اہل بغداد کہتے ہیں کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر تریاق مجرب ہے''۔ (رسالہ قشیریہ: ص ۱۲۷)

محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر کیا ہے کہ ''حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی

قبر اکسیر مجرب ہے‘‘۔(صفۃ الصفوۃ ج ۲ص۱۸۳)

۹۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں،’’امام بخاری رحمہ اللہ کو دفن کرنے کے بعد انکی قبر کی مٹی سے مشک کی خوشبو آتی رہی اور لوگ دور دور سے آ کر انکی قبر کی مٹی کو بطور تبرک لے جاتے رہے‘‘۔(ھدی الساری ج ۲ص ۲۶۶)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ) نے تحریر کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سمرقند میں قحط سالی ہوگئی۔کئی بار بارش کے لیے دعائیں مانگیں مگر بارش نہ ہوئی۔ایک بزرگ نے کہا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جاؤ اور وہاں اللہ تعالی سے دعا مانگو۔لوگوں نے جب امام بخاری کی قبر پر جا کر گریہ وزاری کی اور آپکے وسیلے سے دعا مانگی تو زبردست بارش ہوئی۔(ارشادالساری ج ۱ص ۳۹)

۱۰۔ قطبِ ربانی حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمہ اللہ حضرت ابوالعباس قاسم بن مہدی سیاری رحمہ اللہ کے احوال میں فرماتے ہیں کہ:

’’ان کا مزار مبارک ’’مرو‘‘ میں ہے۔آج بھی حاجت مند لوگ وہاں جاتے ہیں، منتیں مانتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں۔مقاصد کے حل کے لیے آپ کی قبر پر جانا مجرب ہے‘‘۔(کشف المحجوب، ص ۲۳۵)

۱۱۔ دلائل الخیرات شریف کے مولف شیخ محمد بن سلیمان الجزولی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ’’آپ کے وصال کے ۷۷ سال بعد آپ کی قبر کو کھولا گیا تو جسم اقدس کو بالکل صحیح حالت میں پایا گیا۔آپ کا مزار مراکش میں ہے۔مزار مبارک پر عظمت وانوار کی بارش برستی ہے اور ہر وقت لوگوں کا جم غفیر رہتا ہے۔زائرین وہاں بکثرت دلائل الخیرات پڑھتے ہیں، آپ کی قبر سے کستوری کی خوشبو آتی ہے‘‘۔

(مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۴)

۱۲۔ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ

اللہ علیہ کے مزار پر اکتسابِ فیض کے لیے مراقبہ کیا اور پھر صاحبِ مزار سے جو کچھ روحانی فیض پایا، اسے ایک شعر میں سمو دیا جو زبان زدِ خاص وعام ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہرِ نورِ خدا   ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

ان حوالوں سے واضح ہو گیا کہ اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت کرنا اور ان سے برکتیں حاصل کرنا ہر دور میں مسلمانوں کا معمول رہا ہے اور اکابر اولیاء ومحدثین کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ مزارات پر حاضر ہو کر ان سے برکت حاصل کرنا، جائز ہے۔

۱۳۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مزاراتِ اولیاء کی شان یوں بیان فرماتے ہیں،

خاکِ گور از مردِ حق یابد شرف   تا نہد بر گورِ اُو دل روی وکف
خاکِ اُو ہم سیرت جاں می شود   سرمۂ چشمِ عزیزاں می شود
اے بسا در گور خفتہ خاک وار   بہ ز صد احیاء بنفع وانتشار
سایۂ بود اُو وخاکش سایہ مند   صد ہزاراں زندہ در سایہ وبند

’’مردِ حق سے اُس کی قبر کی مٹی بھی شرف پا لیتی ہے یہاںتک کہ اس کی قبر پر دل منہ اور ہاتھ رکھ دیتا ہے۔اُس کی خاک اس کی جان کی ہم سیرت ہو جاتی ہے اور معزز لوگوں کی آنکھوں کا سرمہ بن جاتی ہے۔

اے لوگو! بہت سے بظاہر مٹی کی طرح قبر میں سوئے ہوئے نفع اور بشارت حاصل کرنے میں سینکڑوں زندوں سے بہتر ہیں۔وہ (اللہ کا ولی) لوگوں کے سر کا سایہ تھا اور اب اس کی قبر بھی سایہ دار ہے بلکہ لاکھوں زندہ لوگ اب بھی اس کے سائے میں ہیں‘‘۔(مثنوی مولانا روم دفتر ششم صفحہ ۲۹۰)



﴿......باب ہفتم......﴾

شرک کی اصل؟

بعض لوگ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف شرک کی تعریف یوں کرتے ہیں،

’’شرک تو یہ ہے کہ کسی ایسے شخص سے مدد طلب کی جائے جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے مدد نہ کرسکتا ہو جیسے کسی فوت شدہ شخص کو مدد کے لیے پکارنا، اس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، اس کو نافع وضار باور کرنا اور دور ونزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا۔ اس کا نام ہے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کرنا اور اسے خدائی صفات سے متصف ماننا۔ اسی کا نام شرک ہے جو بدقسمتی سے محبتِ اولیاء کے نام پر مسلمان ملکوں میں عام ہے‘‘۔

ہم نہایت تفصیل سے تحریر کرچکے ہیں کہ کسی فوت شدہ صالح بندے کو مدد کے لیے پکارنا شرک نہیں جبکہ اُسے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اُس کی مدد کا مظہر سمجھ کر پکارا جائے، نیز کسی نبی یا ولی کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے مشکل کشا یا حاجت روا سمجھنا بھی شرک نہیں۔

اسی طرح عطائے الٰہی سے اس کے کسی محبوب بندے کے متعلق نفع پہنچانے کا عقیدہ بھی شرک نہیں۔ نیز دور ونزدیک سے کسی کی فریاد سن لینا بھی ہرگز شرک نہیں۔ مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کرنا بھی شرک نہیں۔ ان تمام باتوں کے متعلق ہم قرآن وحدیث سے واضح دلائل پیش کرچکے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ شرک کا تعلق اس بات سے ہرگز نہیں ہے کہ جس کو مدد کے لیے پکارا جارہا ہے وہ زندہ ہے یا فوت شدہ، قریب ہے یا دُور، اسے ماتحتُ الاسباب امور میں پکارا جارہا ہے یا مافوقُ الاسباب امور میں۔

اس مسئلے کو مزید سمجھنے کے لیے فرعون کی مثال لیجیے کہ جو لوگ فرعون کے دربار میں زندہ فرعون کو نزدیک سے پکارتے تھے اور اس سے تحتُ الاسباب چیزوں کا سوال

کرتے تھے یعنی وہ اس سے مال و دولت مانگتے تھے جس کا دینا عام لوگوں کی قدرت میں ہوتا ہے تو کیا ان لوگوں کو مشرک نہیں کہا جائے گا؟؟؟

ایسے لوگوں کے مطابق تو وہ لوگ مشرک نہیں ہوں گے کیونکہ وہ زندہ کو پکارتے تھے، نزدیک سے پکارتے تھے اور اُس سے ان چیزوں میں مدد مانگتے تھے جو عادۃً عام لوگوں کی قدرت میں ہوتی ہیں، لیکن ہمارے نزدیک وہ لوگ یقیناً مشرک ہیں کیونکہ وہ فرعون کو معبود سمجھتے تھے۔

آج بھی اگر کسی زندہ شخص کو معبود سمجھ کر قریب سے پکارا جائے اور اس سے کسی عام سے مسئلے میں مدد مانگی جائے تو وہ پکارنے والے ضرور مشرک ہوں گے۔ کیونکہ شرک کی اصل یہی ہے کہ جسے پکارا جارہا ہے، اگر کوئی اُسے اللہ کا شریک یا معبود سمجھ کر پکار رہا ہے تو یہ قطعی شرک ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، دور ہو یا قریب۔

قرآن مجید کی ان آیات سے یہ عقیدہ بالکل واضح ہورہا ہے،

﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾

’’اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود سمجھ کر نہ پکارو‘‘۔(القصص:۸۸)

﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾

’’اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود سمجھ کر پکارے‘‘۔(المؤمنون:۱۱۷)

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾

’’اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پوجتے‘‘۔(الفرقان:۶۸)

اور اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ انبیاء کرام یا اولیاء عظام، اللہ تعالیٰ کی عطا کے بغیر اَزخود اپنی طاقت سے سنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اُس کے اِذن کے بغیر بھی اَزخود مدد کرسکتے ہیں تو یہ بھی شرک ہوگا۔

الحمدُ للہ! ہم اہلسنت، رسولِ معظم ﷺ اور اولیاء کرام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں

کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور ان کا علم، قدرت، اختیار اور تمام کمالات اُسی کے عطا کردہ ہیں۔ یہ نفوسِ قدسیہ ربِ کریم ہی کی دی ہوئی طاقت سے ہماری فریاد سنتے ہیں اور دستگیری فرماتے ہیں۔

ہر پُکار عبادت نہیں:

بعض لوگ ہر دعا (پُکار) کو عبادت قرار دیتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں، ﴿الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ﴾ ”دعا عین عبادت ہے“۔

عرض یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ ”دعا“ کا معنی عبادت نہیں ہوسکتا۔ مثلاً:

﴿اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِیْٓ اُخْرٰىكُمْ﴾

”جب تم منہ اُٹھائے چلے جاتے تھے اور پیٹھ پھیر کر کسی کو نہ دیکھتے اور دوسری جماعت میں ہمارے رسول تمہیں پکار رہے تھے“۔ (الِ عمران:۱۵۳)

اگر ہر جگہ ”دعا“ سے مراد عبادت ہو تو اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ”رسول تمہاری عبادت کر رہے تھے“ جو کہ محال ہے۔

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الاحزاب:۵)

”اُنھیں اُن کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے“۔

اگر ہر ”پکار“ کو عبادت قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اُن کی عبادت کرو اُن کے باپوں کے نام لے کر۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں لوگوں کی عبادت کا حکم دیا ہے؟؟؟ (معاذ اللہ) یقیناً ہرگز نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ارشاد ہے،

﴿رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَيْلًا وَّنَهَارًاo فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا﴾

”اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو دن رات بلایا، تو میرے بلانے سے یہ اور زیادہ بھاگنے لگے“۔ (نوح:۵،۶)

اگر دعا کا معنی عبادت ہی ہو تو اس آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ نوح علیہ السلام نے دن

رات اپنی قوم کی عبادت کی (معاذ اللہ)۔ وہ تو لوگوں کو شرک سے روکتے تھے اور ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی بندے کو پکارنا خواہ وہ ظاہری طور پر زندہ ہو یا وصال شدہ، جائز ہے البتہ کسی کو معبود سمجھ کر پکارنا شرک ہے۔

دُعا کے معانی:

لفظ ”دعا“ کی اصل دَعْوٌ یا دَعْوَةٌ ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ مختلف صیغوں کی صورت میں آیا ہے جس کے مختلف معانی ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ کیجیے۔

1۔ دعا کا ایک معنی ہے، **بُلانا**(Invitation) یا **پکارنا**(Calling):

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾

”اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں“۔ (الِ عمران:۱۰۴)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ﴾

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو“۔ (الانفال:۲۴)

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾

”اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے“۔ (النحل:۱۲۵)

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾

”اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے“۔ (حٰم السجدۃ:۳۳)

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾

”رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے“۔
(النور:۶۳، کنزالایمان)

2۔ دعا کا دوسرا معنی ہے، **اللہ سے التجا کرنا** (Supplication):

﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾

”دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے“۔ (البقرۃ:۱۸۶)

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ﴾

''یہاں پکارا زکریا اپنے رب کو''۔(اٰلِ عمران:۳۸، کنزالایمان)

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾

''اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ''۔(الاعراف:۵۵، کنزالایمان)

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ﴾

''پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اللہ کو پکارتے ہیں''۔(العنکبوت:۶۵)

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾

''اور تمہارے رب نے فرمایا، مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا''۔(المومن:۶۰)

3۔دعا کا تیسرا معنیٰ **عبادت** یا بندگی (Worship) ہے یعنی کسی کو معبود سمجھ کر پکارنا یا اُسے پوجنا۔

﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا﴾

''تم فرماؤ! کیا ہم اللہ کے سوا اسکو پوجیں جو ہمارا نہ بھلا کرے نہ بُرا''۔(الانعام:۷۱)

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾

''اور اللہ کے سوا اُس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے نہ بُرا''۔(یونس:۱۰۶)

﴿قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾

''تم فرماؤ، میں منع کیا گیا ہوں کہ اُنہیں پوجوں جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو''۔

﴿قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ﴾

''(مشرک) کہیں گے، اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے شریک کہ ہم تیرے سوا پوجتے تھے''۔(النحل:۸۶، کنزالایمان)

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّىْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا﴾

''تم فرماؤ، میں تو اپنے رب ہی کی بندگی کرتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا''۔(الجن:۲۰، کنزالایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۵۷ کی تفسیر میں لفظ ﴿يَدْعُوْنَ﴾ کا معنیٰ ﴿يَعْبُدُوْنَ﴾ کیا ہے۔(بخاری کتاب التفسیر)

الحمدللہ! اہلسنت مسلمان نہ تو کسی نبی یا ولی کو معبود سمجھتے ہیں نہ اللہ کا شریک، اور نہ ہی ان کو بالذات متصرف یعنی خود سے تصرف کرنے والا سمجھتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور اس کی عطا سے مددگار سمجھ کر پکارتے ہیں اور یہ عقیدہ ہرگز شرک نہیں ہے جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

غیر مقلد عالم کی تحقیق:

مشہور غیر مقلد عالم نواب وحید الزمان ''دعا'' کے متعلق لکھتے ہیں،

''دعائے شرعی کا معنیٰ ہے عبادت، صلوٰۃ کی طرح، لہٰذا اللہ کے علاوہ یہ کسی اور کے لیے جائز ہی نہیں۔ اور یہی مراد ہے ان آیات کی جن میں یہ لفظ ''دعا'' بیان ہوا ہے۔ اور دعا کے لغوی معنی ہیں آواز دینا، یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی جائز ہے۔

یہ آواز زندہ اور فوت شدہ کو دینا ثابت ہے اُس حدیث کی رو سے جس میں نابینا صحابی کو ﴿يَامُحَمَّدُ اِنِّىْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّىْ﴾ کے الفاظ سے دعا سکھائی گئی ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے، ﴿يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِىْ﴾ ''اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو'' اس سے ثابت ہے۔ بادشاہِ روم کی قید میں شہید ہونے والے مجاہدوں نے بھی ﴿یا محمداہ﴾ پکارا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سُن ہو گیا تو انہوں نے ''یا محمداہ'' پکارا۔ ہمارے اصحاب میں حضرت ابن جوزی نے بیان کیا ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات پر یوں آواز بلند کی، ﴿یا عُمَراہ، یاعُمَراہ، یا عُمَراہ﴾''۔(ہدیۃ المہدی:۲۳)

الحمدُ للہ! ایک نامور غیر مقلد عالم کی تحریر سے ہمارے مؤقف کی تائید ہوگئی۔

انہوں نے ابتدا میں جن دو حدیثوں کا حوالہ دیا ان میں سے ایک ''ندائے یارسول اللہ'' کے عنوان کے تحت پہلے بیان ہو چکی۔ دوسری حدیث مع حوالہ جات ملاحظہ ہو۔

آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کسی کی سواری گم ہو جائے یا کوئی ایسی جگہ ہو جہاں کوئی نہ ہو اور مدد کی حاجت ہو تو اسے یوں پکارنا چاہیے،

﴿یَاعِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ......﴾ ''اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو'' (تین بار کہے) بیشک اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھتے۔ یہ عمل مجرب ہے۔

امام نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں''۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲)

آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ''جب کسی کا جانور جنگل وغیرہ میں بھاگ جائے تو وہ پکارے، ﴿یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا عَلَیَّ، یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا عَلَیَّ﴾

اے اللہ کے بندو! اسے روک لو، اے اللہ کے بندو! اسے پکڑ لو۔ بیشک اللہ کے کچھ بندے زمین پر موجود ہوتے ہیں جو اسے روک دیں گے''۔

محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''یہ حدیث حسن ہے، مسافروں کو اسکی بہت حاجت ہے اور مشائخ کرام سے مروی ہے کہ یہ آزمودہ ہے، اس سے حاجت پوری ہو جاتی ہے''۔ (الحرز الثمین)

مذکورہ بالا دونوں حدیثیں مندرجہ ذیل ائمہ حدیث نے روایت کی ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۹۰، مسند ابی یعلیٰ ج ۵ ص ۱۲۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲، طبرانی کبیر ج ۱۰ ص ۲۱۷، حصن حصین ص ۱۰۲، تحفۃ الذاکرین ص ۱۹۷۔

ان احادیث میں اللہ کے بندوں سے مدد مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے جو اس کی عطا سے مددگار ہوتے ہیں اور یہ اہلسنت کے عقیدے کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا مفہوم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًام بَعِیْدًاo﴾

''اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے، جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے، اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دُور کی گمراہی میں پڑا''۔ (النساء:۱۱۶، کنز الایمان)

قرآن کریم میں ''دُوْن'' تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اول:......کم تر، نیچے،......دوم:......سوا، غیر،......اور سوم:......مقابل۔

لہٰذا مذکورہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتا اور بخش دیتا ہے شرک سے کم تر اور نیچے والے گناہوں کو، یا شرک کے سوا دوسرے گناہوں کو۔ اگر ان معانی میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام معانی ایک ہی مضمون کے مختلف پہلوؤں پر مبنی ہیں۔ چند آیات ملاحظہ کیجیے جس میں دوسرا اور تیسرا معنی موجود ہے۔

﴿فَرِیْقًا ھَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْھِمُ الضَّلٰلَۃُ اِنَّھُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَo﴾ (الاعراف:۳۰)

''ایک فرقے کو راہ دکھائی اور ایک فرقے کی گمراہی ثابت ہوئی، انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو والی بنایا اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ راہ پر ہیں''۔ (کنز الایمان)

﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ کَانُوْا لَا یَمْلِکُوْنَ شَیْئًا وَّ لَا یَعْقِلُوْنَo قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا﴾

''کیا انہوں نے اللہ کے مقابل کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں؟ تم فرماؤ! کیا اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل رکھیں۔ تم فرماؤ! شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ

میں ہے''۔(الزمر:۴۳،۴۴،کنزالایمان)

اگر یہاں اللہ کے ''مقابل'' کی بجائے ''سوا'' ترجمہ کیا جائے تو اللہ کا سفارشی ہونا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔اُس سے برتر کوئی نہیں جہاں وہ سفارشی ہو۔

﴿وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾

''اور انہیں (یعنی بتوں کو) گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ (مشرک) اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے''۔

(الانعام:۱۰۸،کنزالایمان)

﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کا عام اطلاق:

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ سے مراد اللہ کے سوا وہ بت، شیاطین اور مظاہرِ قدرت ہیں جن کی کفار عبادت کرتے ہیں اور ان باطل معبودوں کو اُس کے مقابل اپنا مددگار اور سفارشی بنا لیتے ہیں مثلاً انبیاء و صالحین کے ناموں پر بنائے ہوئے مجسمے، بیشمار اقسام کے بت، سورج، چاند اور شیاطین وغیرہ۔

﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کا خاص اطلاق:

قرآن مجید کی جن آیات میں اُلوہیت کا ذکر ہے، ان آیات میں ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں پر بھی ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ارشاد ہوا،

﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾

''اور جب اللہ فرمائے گا، اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا''۔(المائدہ:۱۱۶،کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں حضرت عیسیٰ و حضرت مریم علیہا السلام کے ''خدا'' ہونے کی نفی کی

گئی ہے جیسا کہ نصاریٰ کا شرکیہ عقیدہ تھا۔یہ آیت بھی ملاحظہ فرمائیے۔

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾

''انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا اور مسیح بن مریم کو۔اور انہیں حکم نہ تھا مگر یہ کہ ایک اللہ کو پوجیں''۔(التوبۃ:۳۱،کنزالایمان)

معلوم ہوا کہ اہلِ کتاب حضرت عُزیر، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہم السلام کی عبادت کرتے اس لیے ایسی آیات میں ان کے معبود ہونے کی نفی کی گئی ہے۔جبکہ اس آیت میں پادریوں اور جوگیوں کو خدا بنانے سے مراد اُن کی اندھی تقلید کرنا ہے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے، اہلِ کتاب اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ جب وہ کسی چیز کو حلال کر دیتے تو وہ اس کو حلال کہتے اور جب وہ کسی چیز کو حرام کر دیتے تو وہ اس کو حرام کہتے۔(ترمذی)

خارجی فکر کے اعتراضات:

خارجی فکر سے متاثرہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ہر جگہ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ سے مراد انبیاء اور صالحین ہیں۔قرآن مجید کی رُو سے یہ نظریہ سراسر غلط ہے۔

1- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ﴾

''اور نہ پیروی کرو اُس (اللہ) کے سوا اور دوستوں کی''۔(الاعراف:۳)

اس آیت مبارکہ میں رب تعالیٰ نے ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ کی پیروی سے منع فرمایا ہے۔اگر انبیاء اور اولیاء کو ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ قرار دیا جائے تو ان کی پیروی بھی منع ہونی چاہیے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان نماز کی ہر رکعت میں انہی انعام یافتہ بندوں کے راستے پر چلنے کی دعا کرتا ہے۔سورت فاتحہ میں ہے،

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ﴾

''ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ اُن کا جن پر تو نے احسان کیا''۔(کنزالایمان)

دوسری جگہ ارشاد ہوا، ﴿الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ﴾ (النساء:٦٩)

''جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ''۔

معلوم ہوا کہ انبیاء اور اولیاء تو انعام یافتہ بندے ہیں جن کے راستے پر چلنے کی اللہ تعالیٰ نے دعا تعلیم دی ہے، وہ ہرگز ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ میں داخل نہیں۔ بلکہ رحمتِ عالم ﷺ تو وہ محبوب رسول ہیں جن کی اتباع کا بطورِ خاص رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

''اے محبوب! تم فرما دو کہ اے لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا''۔(اٰلِ عمران:٣١)

مزید فرمایا گیا، ﴿وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ﴾

''اور اُس کی راہ چل جس نے میری طرف رجوع کیا''۔(لقمان:١٥)

پس ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ کی اتباع سے منع فرمایا ہے اور ان میں ہرگز ہرگز انبیاء اور اولیاء داخل نہیں ہو سکتے۔

2- قرآن کریم میں ہے کہ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ باطل ہیں۔ ارشاد ہوا،

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ﴾ (الحج:٦٢)

''یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اُس کے سوا جسے پکارتے ہیں وہی باطل ہے''۔

اگر انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کو ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ قرار دیا جائے تو پھر ان کا باطل ہونا لازم آئے گا۔ اور انہیں باطل کہنا نہ صرف ان کی شان میں گستاخی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی شدید گستاخی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ﴾ (البقرۃ:١١٩)

اے حبیب ﷺ! ''بیشک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا''۔(کنزالایمان)

﴿اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾

''سن لو! بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں''۔(یونس:٦٢،٦٣، کنزالایمان)

امام الانبیاء سیدِ عالم ﷺ کا حق اور ہدایت پر ہونا، انبیاء کا صالحین ہونا اور اولیاء کا ایمان وتقویٰ کی صفات کا جامع ہونا قرآن عظیم نے بیان کیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ سے انبیاء واولیاء ہرگز مراد نہیں ہو سکتے۔

3- قرآن عظیم میں ہے کہ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ اپنے پوجنے والوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔ ارشاد ہوا،

﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ (الانبیاء:٩٨)

''بیشک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو، سب جہنم کے ایندھن ہیں''۔

جبکہ نبی کریم ﷺ اور ان کے متبعین کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا،

﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾

''اللہ نے ان کے لیے تیار کر رکھی ہیں بہشتیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے''۔(التوبۃ:٨٩)

غیر مقلدین کے پیشوا قاضی شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکینِ مکہ نے کہا، اللہ کے سوا تو فرشتوں، حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور حضرت مریم علیہم السلام کی بھی عبادت کی جاتی ہے لہٰذا وہ بھی جہنم میں جائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَھُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی اُولٰٓئِکَ عَنۡھَا مُبۡعَدُوۡنَ﴾

''بیشک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا، وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں''۔(الانبیاء:۱۰۱، کنزالایمان)

چونکہ انبیاء اور صالحین تو ہرگز جہنم میں نہیں جاسکتے، وہ قطعی جنتی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ سے مراد بت اور صالحین کے ناموں پر بنائے گئے مجسمے ہیں۔

ایک آیتِ مبارکہ اور ملاحظہ فرمایئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آیات جن میں ﴿مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہ﴾ کے متعلق الٰہ اور معبود ہونے کے علاوہ دوسرے کمالات کی نفی کی گئی ہے ان سے نبی اور مومنین نہیں بلکہ کفار، بت اور شیاطین مراد ہیں۔

﴿وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ جٰھَدُوۡا مِنۡکُمۡ وَلَمۡ یَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلَا رَسُوۡلِہٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَلِیۡجَۃً﴾(التوبۃ:۱۶)

''اور ابھی اللہ نے پہچان نہ کرائی اُن کی جو تم میں سے جہاد کریں گے اور اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا محرمِ راز نہ بنائیں گے''۔(کنزالایمان)

اس آیت سے بھی ثابت ہوگیا کہ ﴿مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہ﴾ کا عام اطلاق اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر ہوتا ہے۔

مشرکوں کے عقیدے:

استاذی ومرشدی پیرطریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ نے اپنی تفسیر ''انوارُ القرآن'' میں اس عنوان کے تحت جو تحریر فرمایا، اسی کی کچھ تفصیل پیشِ خدمت ہے۔

قرآن کریم میں مذکور ہے کہ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے لیکن ان کے ذہنوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق صحیح تصور نہ تھا اور وہ بیشمار خداؤں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ درج ذیل قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں۔

☆ ﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَھُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ. فَاَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ﴾

''اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین، اور کام میں لگائے سورج اور چاند، تو ضرور کہیں گے اللہ نے، تو کہاں اوندھے جاتے ہیں''۔

(العنکبوت:۶۱، کنزالایمان)

☆ ﴿قُلۡ لِّمَنِ الۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِیۡھَآ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَo سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰہِ قُلۡ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَo قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَرَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِo سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰہِ قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَo قُلۡ مَنۡۢ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّھُوَ یُجِیۡرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیۡہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ o سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰہِ قُلۡ فَاَنّٰی تُسۡحَرُوۡنَ﴾

''تم فرماؤ، کس کا مال ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے، اگر تم جانتے ہو؟ اب کہیں گے کہ اللہ کا، تم فرماؤ، پھر کیوں نہیں سوچتے۔ تم فرماؤ، کون ہے مالک ساتوں آسمانوں کا اور مالک بڑے عرش کا؟ اب کہیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ تم فرماؤ، پھر کیوں نہیں ڈرتے۔ تم فرماؤ، کس کے ہاتھ ہے ہر چیز کا قابو اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اگر تمہیں علم ہو؟ اب کہیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ تم فرماؤ، پھر کس جادو کے فریب میں پڑے ہو''۔(المومنون:۸۴تا۸۹، کنزالایمان)

☆ ﴿قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اَمَّنۡ یَّمۡلِکُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَمَنۡ یُّخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَیُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَمَنۡ یُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ اللّٰہُ فَقُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ﴾

''تم فرماؤ! تمہیں کون روزی دیتا ہے آسمان اور زمین سے، یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا، اور کون نکالتا ہے زندہ کو مُردے سے، اور کون نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے، اور کون تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ تو اب کہیں گے کہ اللہ۔ تو تم فرماؤ! تو

کیوں نہیں (اللہ سے) ڈرتے؟''۔(یونس:۳۱،کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ کے متعلق اتنا کچھ جاننے کے باوجود ان کا شرک اور گمراہی یہ تھی کہ وہ اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر اور شریک ٹھہراتے نیز وہ اپنے بتوں کو بھی معبود سمجھتے تھے۔قرآن حکیم میں ہے کہ قیامت میں مشرکین اپنے بتوں سے کہیں گے،

☆ ﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍo اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

''خدا کی قسم! بیشک ہم کھلی گمراہی میں تھے، جب کہ تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے''۔(الشعراء:۹۷،۹۸،کنزالایمان)

کفار اپنے بتوں کی عبادت کرتے اور ان کے سامنے دن بھر معتکف رہتے تھے۔

☆ ﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ﴾(الشعراء:۷۱)

''بولے، ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ان کے سامنے جم کر بیٹھے رہتے ہیں''۔

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اتنی ساری مخلوق کے لیے ایک خدا کیسے کافی ہوسکتا ہے۔

☆ ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾(صٓ:۵)

''کیا اس (نبی ﷺ) نے بہت خداؤں کا ایک خدا کردیا، بیشک یہ عجیب بات ہے''۔

☆ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَo وَیَقُوْلُوْنَ اَىٕنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾(الصّٰفّٰت:۳۵،۳۶)

''بیشک جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے، اور کہتے تھے، کیا ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے''۔

قرآن عظیم نے ان کا یہ قول بھی بیان کیا ہے،

☆ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾

''ہم تو انہیں (یعنی بتوں کو) صرف اتنی بات کے لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کردیں''۔(الزمر:۳،کنزالایمان)

وہ بتوں کو صرف سفارشی نہیں سمجھتے بلکہ ان کی عبادت کرتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے نیز مالی عبادات میں بھی وہ بتوں کا زیادہ خیال کرتے۔اگر بتوں کے حصے میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حصے میں مل جاتی تو اسے فوراً الگ کر کے بتوں کے حصے میں رکھ لیتے اور اس کے برعکس اگر کوئی چیز رب تعالیٰ کے حصے سے بتوں کے حصے میں مل جاتی تو اسے واپس نہ کرتے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

☆ ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآىٕنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآىٕهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآىٕهِمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾

''اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ان میں اسے ایک حصہ دار ٹھہرایا۔تو بولے، یہ اللہ کا ہے، ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں (یعنی بتوں) کا۔تو وہ جو ان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو خدا کا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے، کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں''۔(الانعام:۱۳۶)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک ماننے کے لیے تیار نہیں تھے اس لیے وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شریک ٹھہراتے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔

مشرکین نہ صرف اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بے جان مجسموں کو معبود مانتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کو مردے زندہ کرنے اور قیامت قائم کرنے سے بھی عاجز تصور کرتے تھے اسی لیے وہ موت کے بعد کی زندگی کے منکر تھے۔ارشاد ہوا،

☆ ﴿قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ﴾(یٰسٓ:۷۸)

''(کافر) بولا، ایسا کون ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئیں''۔

ایک اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ سے زیادہ بتوں سے محبت کرتے

تھے۔وہ بتوں کو رب کا محض شریک نہ سمجھتے بلکہ اس کے مقابل ٹھہراتے اور ان کی خاطر رب تعالیٰ کو گالیاں دینے میں بھی عار محسوس نہ کرتے۔اسی لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا،

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾

’’اور انہیں (یعنی بتوں کو) گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ (مشرک) اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے‘‘۔

(الانعام:۱۰۸، کنزالایمان)

مومنوں کی مشرکوں سے تشبیہ:

مسلمانوں کے انبیاء واولیاء کرام کو مددگار سمجھنے اور مشرکوں کے اپنے بتوں کو مددگار سمجھنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔کفار اپنے بتوں کو معبود سمجھتے اور اللہ تعالیٰ کے مقابل مددگار اور سفارشی جانتے تھے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ان کے اس باطل نظریے کی قرآن کریم میں بار ہا تردید کی گئی۔ارشاد ہوا،

﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾

’’کام نہ کچھ تمہارے خیالوں پر ہے (کہ بت تمہیں بچالیں گے) اور نہ کتاب والوں کی ہوس پر (کہ وہ اللہ کے پیارے ہیں)، جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا اور اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائے گا نہ مددگار‘‘۔(النساء:۱۲۳، کنزالایمان)

﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾

’’اور اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی ولی نہ مددگار‘‘۔(الشوریٰ:۳۱)

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾

’’اور انہوں نے اللہ کے سوا اور خدا ٹھہرا لیے کہ شاید ان کی مدد ہو‘‘۔(یٰسٓ:۷۴)

﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ﴾

’’اللہ کے سوا نہ اس (کافر) کا کوئی حمایتی ہو نہ سفارشی‘‘۔(الانعام:۵۱)

ان آیاتِ مقدسہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل کوئی کسی کا مددگار نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوئی ولی یا شفیع ہوسکتا ہے۔ان آیات سے انبیاء اور اولیاء ہرگز مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ قرآن کریم سے ان کی ولایت بھی ثابت ہے اور شفاعت بھی۔

﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا﴾

’’اُس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اُس کی جسے رحمان نے اِذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی‘‘۔(طٰہٰ:۱۰۹، کنزالایمان)

﴿لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾(مریم:۸۷)

’’لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جن کا رحمان کے پاس عہد ہے‘‘۔

ثابت ہوا وہ مقربین ضرور شفاعت کریں گے جنہیں اجازت مل چکی ہے۔

کافر اور مومن کے عقیدے میں یہ بہت بڑا فرق ہے کہ کافر اپنے بتوں کو رب تعالیٰ کے مقابل مددگار سمجھتا ہے جبکہ کوئی مومن اللہ تعالیٰ کے کسی محبوب بندے کو اس کے مقابل مددگار نہیں سمجھتا بلکہ قرآن عظیم کے عین مطابق اللہ تعالیٰ کی عطا سے اسے اپنا حامی ومددگار سمجھتا ہے۔جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے،

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۝﴾

’’تمہارے مددگار اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں‘‘۔(المائدہ:۵۵)

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾

’’اور اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک دین پر کر دیتا لیکن اللہ اپنی رحمت میں لیتا ہے

جسے چاہے، اور ظالموں کا نہ کوئی دوست نہ مددگار''۔ (الشوریٰ:۸، کنز الایمان)

مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں کو اپنی رحمت میں لیا ہوا ہے اس لیے ان کے لیے ولی بھی ہیں اور مددگار بھی، جبکہ ظالموں کا کوئی یار و مددگار نہیں۔

یہ ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے اپنے کرم سے اپنے رسول اور اپنے اولیاء کو مومنوں کا مددگار بنا دیا جبکہ وہ خود فرماتا ہے کہ گمراہوں اور ملعونوں کا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہوتا۔ صرف دو آیات ملاحظہ کیجئے۔

﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ (الکہف:۱۷)

''اور جسے (اللہ) گمراہ کردے تو ہرگز نہ پاؤ گے اس کے لیے کوئی مددگار، مرشد''۔

﴿وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا﴾ (النساء:۵۲)

''اور جس پر خدا لعنت کرے، اس کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے''۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو دوست یا مددگار بنانا منع ہے۔ ارشاد ہوا،

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں مسلمانوں کے سوا''۔ (ال عمران:۲۸)

﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾

''اور ظالموں کی طرف نہ جھکو ورنہ تمہیں آگ چھوئے گی''۔ (ھود:۱۱۳)

قرآن و حدیث کی روشنی میں اہلسنت، انبیاء اور اولیاء کرام کو محبت سے پکارتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کے بندے اور اُس کی مدد کا مظہر جان کر ان سے استعانت کے قائل ہیں نیز اللہ تعالیٰ سے ان محبوب بندوں کے وسیلے سے دعا مانگتے ہیں۔

بعض لوگ نذر و نیاز کو شرک کہتے ہیں۔ اس پر غیر مقلد عالم مولوی وحید الزماں نے لکھا ہے، ''اگر نذر اللہ کے لیے ہو اور اس کا ثواب نبی پاک یا ولی کی روح یا کسی فوت شدہ کو پہنچانا ہے تو وہ جائز ہے، لوگ اس کو فاتحہ کہتے ہیں''۔ (ہدیۃ المہدی:۳۸)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ نذر اللہ کے لیے ہوتی ہے اور طعام و مال خرچ کرنے کا ثواب ولی اللہ کے لیے، یہ مسنون ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ حدیث اُمِّ سعد سے ظاہر ہے اور اس نذر کا مقصد ایصالِ ثواب ہی ہوتا ہے۔ (فتاوی عزیزی جلد اول صفحہ ۱۲۲)

بعض لوگ ان امور پر اہلسنت کو مشرک قرار دیتے اور امت میں انتشار و افتراق پیدا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی عظمت اور ان کا وسیلہ اختیار کرنے کا انکار کرتے ہیں اور وہ آیات جو مشرکوں کے متعلق نازل ہوئی، انہیں مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ طریقہ خارجیوں کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے،

﴿وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ اِنَّهُمُ انْطَلَقُوْا اِلٰى اٰيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤمِنِيْنَ﴾

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو تمام مخلوق میں بدترین سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ انہوں نے کافروں کے متعلق نازل ہونے والی آیات مسلمانوں پر چسپاں کی ہیں''۔ (بخاری باب قتل الخوارج)

خارجیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی آیت ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ کی رو سے شرک کا مرتکب قرار دیا۔ جواب میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ کلمہ تو حق ہے مگر اس سے مراد لیا جانے والا معنی باطل ہے۔ (مسلم کتاب الزکوٰۃ)

آج بھی خارجی فکر کے حاملین، قرآن کریم کی ان آیات کو اپنے باطل موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں جو بتوں کو پوجنے والے مکہ کے مشرکوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ اب ہم ان آیات کی مختصر تفسیر اکابر مفسرین کے حوالوں سے پیش کریں گے۔

رب تعالیٰ ہم سب کے لیے حق کا سمجھنا آسان فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆

﴾......باب ہشتم......﴿

مشرکین کے لیے نازل شدہ آیات:

﴾☆......1......☆﴿

﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا﴾ (الانعام:۷۱)

اس آیت کا ایک ترجمہ یہ کیا جاتا ہے، ''تو کہہ دے! کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا اُن کو جو نہ نفع پہنچا سکیں ہم کو اور نہ نقصان''۔

امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے،

''تم فرماؤ! کیا ہم اللہ کے سوا اُس کو پوجیں جو ہمارا نہ بھلا کرے نہ بُرا''۔

(کنز الایمان)

قرآن مجید کی وہ تمام آیات جو بتوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں اور ان میں ﴿يَدْعُوْا، يَدْعُوْنَ، تَدْعُوْنَ﴾ وغیرہ الفاظ آئے ہیں جن کے فاعل مشرکین ہیں، اکابر مفسرین کے نزدیک ان سے ﴿يَعْبُدُوْا، يَعْبُدُوْنَ، تَعْبُدُوْنَ﴾ وغیرہ مراد ہیں۔ کیونکہ مشرکین اپنے بتوں کی عبادت کرتے تھے یا انہیں معبود سمجھ کر پکارتے تھے۔ ان الفاظ سے محض پکارنا مراد نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ان آیات کو انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو محبت سے پکارنے والے مسلمانوں پر چسپاں کیا جاسکتا ہے۔

علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام میں لکھا ہے،

اَلدُّعَاءُ نَوْعَانِ دُعَاءٌ عِبَادَةٌ وَدُعَاءٌ مَسْأَلَةٌ وَالْعَابِدُ دَاعٍ وَالسَّائِلُ دَاعٍ۔

''دعا دو قسم کی ہے۔ ایک کا معنی عبادت ہے اور دوسری کا معنی ہے سوال کرنا یا مانگنا۔ عبادت کرنے والا بھی داعی ہوتا ہے اور سائل بھی داعی''۔

پس اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت یقیناً شرک ہے مگر کسی سے مانگنا شرک نہیں جبکہ سائل جس سے مانگے اُسے اللہ کا بندہ اور اُس کا محتاج سمجھے۔

اس آیت میں بھی ﴿اَنَدْعُوْا﴾ کا معنی ﴿اَنَعْبُدُ﴾ یعنی عبادت ہے، جیسا کہ درج ذیل تفاسیر سے ثابت ہے۔

1۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۷ھ) فرماتے ہیں،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی طرف اور بتوں کی طرف بلانے والوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم)

2۔ علامہ عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) اس آیت کے تحت لکھتے ہیں،

﴿قُلْ﴾ لِاَبِيْ بَكْرٍ حَتّٰى يَقُوْلَ لِابْنِهٖ عَبْدِالرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَدْعُوْا اَبَاهُ اِلٰى عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ ﴿اَنَدْعُوْا﴾ اَنَعْبُدُ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ الضَّارِّ النَّافِعِ ﴿مَالَا يَنْفَعُنَا﴾ مَالَا يَقْدِرُ عَلٰى نَفْعِنَا اِنْ دَعَوْنَاهُ ﴿وَلَا يَضُرُّنَا﴾ اِنْ تَرَكْنَاهُ۔

تم فرماؤ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جن کے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ (جب ایمان نہ لائے تھے) اپنے والد کو بت پرستی کی دعوت دیتے تھے، کہ کیا ہم اُس اللہ کو جو نفع نقصان کا مالک ہے، چھوڑ کر اس کے غیر کی عبادت کریں جن کی عبادت میں نفع نہیں اور چھوڑنے میں نقصان نہیں، تو ہم ان کی عبادت کیوں کریں۔ (مدارک التنزیل)

3۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں،

اِعْلَمْ اَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ الرَّدُّ عَلٰى عَبَدَةِ الْاَصْنَامِ وَهِيَ مُؤَكَّدَةٌ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى قَبْلَ ذٰلِكَ: قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... فَقَالَ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ اَنَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ النَّافِعِ الضَّارِّ مَالَا يَقْدِرُ عَلٰى نَفْعِنَا وَلَا عَلٰى ضَرِّنَا۔

اس آیت سے بتوں کو پوجنے والوں کا رد مقصود ہے اور یہ آیت سابقہ آیت ﴿قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''تم فرماؤ مجھے منع کیا گیا ہے کہ انہیں پوجوں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو'' کی تاکید ہے۔ وہاں بھی تَدْعُوْنَ،

تَعْبُدُوْنَ کے معنی میں ہے اور ﴿اَعْبُد﴾ واضح طور پر عبادت کے معنی میں موجود ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا کہ ہم اللہ کو چھوڑ کر جو کہ نفع نقصان کا مالک ہے، کیا اس کے غیر کی عبادت کریں جو نہ ہمیں نفع دے سکیں نہ نقصان یعنی یہ نہیں ہوسکتا۔(تفسیر کبیر)

4۔امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں،

﴿ اَنَدْعُوْا ﴾ اَنَعْبُدُ ﴿ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا ﴾ بِعِبَادَتِهٖ ﴿ وَلَا يَضُرُّنَا ﴾ بِتَرْكِهَا وَهُوَ الْاَصْنَامُ۔

’’کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کریں جن کی عبادت نفع نہیں دیتی اور جن کی عبادت چھوڑنا نقصان نہیں پہنچاتا، اور وہ بت ہیں‘‘۔(جلالین)

5۔علامہ اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں،

مشرکین نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہمارے طریقے کی پیروی کرو اور اپنا دین ترک کردو۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تم فرماؤ! کیا ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بے کس و بے بس بتوں کی عبادت کریں جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔(تفسیر ابن کثیر)

6۔امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں،

امام ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمہم اللہ نے تفسیر کے امام حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا،

یہاں ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ سے مراد بت ہیں۔یعنی ’’تم فرماؤ! کیا ہم اللہ کے سوا بتوں کو پوجیں جو نہ ہمیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان‘‘۔(تفسیر دُرِّ منثور)

7۔علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں،

یہاں ﴿نَدْعُوْا﴾ کا معنی ﴿نَعْبُدُ﴾ ہے۔یعنی کیا ہم عبادت کریں اُن کی جن کی عبادت کرنا ہمیں نفع نہیں دیتا اور نہ ہی ان کی عبادت نہ کرنا نقصان دیتا ہے یعنی وہ

بت کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔(تفسیر مظہری)

8۔علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں،

اَیْ نَعْبُدُ مُتَجَاوِزِيْنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ الْجَامِعِ لِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْاُلُوْهِيَّةِ الَّتِیْ مِنْ جُمْلَتِهَا الْقُدْرَةِ عَلَى النَّفْعِ وَالضَّرِ مَا لَا يَقْدِرُ عَلٰى نَفْعِنَا اِنْ عَبَدْنَاهُ وَلَا عَلٰى ضَرِنَا اِذَا تَرَكْنَاهُ۔

کیا ہم اُس اللہ کی عبادت سے تجاوز کریں جو تمام صفاتِ اُلوہیت کا مالک ہے اور نفع نقصان کا مالک ہونا بھی اسی کی قدرت میں ہے۔کیا اس کے سوا ان کی عبادت کریں جو ہمیں نفع نہیں دے سکتے اور نہ نقصان، یعنی یہ ممکن نہیں۔(روح المعانی)

9۔شبیر احمد عثمانی صاحب اس آیت کے تحت لکھتے ہیں،

’’یہ آیت ان مشرکین کے جواب میں اُتری ہے جنہوں نے مسلمانوں سے ترکِ اسلام کی درخواست کی تھی‘‘۔(تفسیر عثمانی:۱۷۷)

10۔تھانوی صاحب کے نزدیک بھی یہاں بت مراد ہیں۔مذکورہ بالا قول انہوں نے بھی نقل کیا ہے اور اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے،

’’آپ کہہ دیجیے کہ کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں کہ نہ وہ ہم کو نفع پہنچاوے اور نہ وہ ہم کو نقصان پہنچاوے‘‘۔(بیان القرآن:۱۲۲)

اس آیت کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرتے ہوئے لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بیشمار آیات میں اپنے محبوب بندوں کا لوگوں کے لیے بابرکت اور نفع مند ہونا بیان فرمایا ہے۔انبیاء و اولیاء اللہ تعالیٰ کے اِذن سے نفع دیتے ہیں جیسا کہ حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یوسف، حضرت ذوالقرنین، حضرت عیسیٰ اور ہمارے آقا و مولیٰ علیہم السلام کے تصرفات پہلے مذکور ہوئے۔

حضرت مریم کے پاس بے موسم کے پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد

کے لیے دعا کی جو فوراً قبول ہوئی۔ارشاد ہوا،

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ﴾

''یہاں پکارا زکریا اپنے رب کو''۔(اٰلِ عمران:۳۸)

صادقین کا ساتھ نفع دیتا ہے اس لیے رب تعالیٰ نے حکم دیا،

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ''۔(التوبۃ:۱۱۹)

انبیاء کرام تو رب کے وہ محبوب بندے ہیں کہ انہیں جھٹلانے والوں پر وہ عذاب نازل کرتا ہے۔ارشاد ہوا، ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ﴾

''تو انہوں نے اُسے جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کیا''۔(الشعراء:۱۳۹)

اور اولیاء کرام وہ محبوب ہیں کہ ان کے مخالف کے خلاف رب کا اعلانِ جنگ ہے۔ حدیثِ قدسی ہے، ﴿مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ﴾ (بخاری)

''جو میرے ولی سے عداوت رکھے، میرا اس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے''۔

انبیاء اور اولیاء کی شان تو بہت بلند ہے، اللہ تعالیٰ نے تو کئی اشیاء میں نفع نقصان کی تاثیر رکھی ہے۔مثلاً ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ﴾

چوپایوں میں تمہارے لیے بہت فائدے ہیں۔(المؤمنون:۲۱)

﴿فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ شہد میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔(النحل:۶۹)

﴿وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ لوہے میں لوگوں کے لیے بہت نفع ہے۔(الحدید:۲۵)

﴿بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ کشتی میں لوگوں کے لیے بہت نفع ہے۔(البقرۃ:۱۶۴)

﴿الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سمجھانا مسلمانوں کو نفع دیتا ہے۔(الذّٰریٰت:۵۵)

پس ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ مذکورہ آیت میں ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ سے مراد بت ہیں اور ﴿تَدْعُوْا﴾ کا معنی عبادت ہے لہٰذا اسے انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرنا کسی

مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا۔

﴿☆......2......☆﴾

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (الاعراف:۱۹۴)

''بیشک وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، تمہاری طرح بندے ہیں، تو انہیں پکارو پھر وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو''۔(کنز الایمان)

بعض لوگ اس آیت کا مصداق انبیاء اور اولیاء کرام کو قرار دیتے ہیں۔حالانکہ اگر مذکورہ آیت مبارکہ سے پہلے اور بعد والی آیات ہی دیکھ لی جائیں تو واضح ہو جائے گا کہ مذکورہ آیات میں بتوں کا ذکر ہے یا انبیاء و اولیاء کا۔

﴿اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ۝ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ۝﴾

''کیا اُسے شریک کرتے ہیں جو کچھ نہ بنائے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں۔اور نہ وہ ان کو کوئی مدد پہنچا سکیں اور نہ اپنی جانوں کی مدد کریں۔اور اگر تم انہیں راہ کی طرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہ آئیں، تم پر ایک سا ہے چاہے انہیں پکارو یا چپ رہو''۔

(الاعراف:۱۹۱-۱۹۳، کنز الایمان)

اب مذکورہ آیت سے اگلی آیات ملاحظہ فرمائیے۔ارشاد ہوا،

﴿اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَاۤ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ۝ اِنَّ وَلِيِّ ۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۝ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝

وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَسۡمَعُوۡا وَتَرٰهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ وَهُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ۝﴾

''کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں، یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے گرفت کریں، یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں، یا ان کے کان ہیں جن سے سنیں۔ تم فرماؤ کہ اپنے شریکوں کو پکارو اور مجھ پر داؤ چلو اور مجھے مہلت نہ دو۔ بیشک میرا والی اللہ ہے جس نے کتاب اُتاری، اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے۔

اور جنہیں اس کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہی اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم انہیں راہِ ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہ سنیں، اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں، حالانکہ انہیں کچھ بھی نظر نہیں آتا''۔

(الاعراف:۱۹۵-۱۹۸)

ائمہ مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں کہ ان آیات میں بتوں کے عاجز اور باطل ہونے کا بیان ہے۔ ملاحظہ کیجیے، تفسیر ابن عباس، تفسیر ابن جریر، تفسیر قرطبی، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر کبیر، تفسیر مدارک التنزیل، تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری وغیرہ۔

لیکن خارجی فکر اس کی تفسیر یوں کرتی ہے، ''اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین جن کی مورتیاں بنا کر پوجتے تھے وہ بھی پہلے اللہ کے بندے یعنی انسان ہی تھے۔............ مرنے کے ساتھ ہی دیکھنے، سننے، سمجھنے اور چلنے کی طاقت ختم ہوگئی۔ اب ان کی طرف منسوب یا تو پتھر یا لکڑی کی خود تراشیدہ مورتیاں ہیں یا گنبد، قبے اور آستانے ہیں جو ان کی قبروں پر بنا لیے گئے''۔

اس عبارت میں واضح طور پر انبیاء و اولیاء اور شہداء کی بعد از وصال حیات کا انکار کر کے متعدد آیات و احادیث کا انکار کیا گیا ہے پھر انبیاء اور صالحین کے مزارات کو پتھر اور لکڑی کے بتوں سے تشبیہ دے کر نہ صرف بارگاہِ نبوت میں صریح بے ادبی کا

ارتکاب کیا گیا ہے بلکہ کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو بھی مجروح کیا گیا ہے۔

ان آیات میں بعض باتیں توجہ طلب ہیں۔

اول: پاؤں، ہاتھ، آنکھوں اور کانوں سے انبیاء اور اولیاء محروم نہیں ہوتے لہٰذا یہاں مراد بت اور مجسمے ہیں۔ اس آیت سے ﴿عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ﴾ کی تفسیر بھی ہوگئی کہ بت انسانی شکل پر گھڑے ہوئے ہوتے ہیں مگر ان کے اعضاء میں کوئی قوت نہیں ہوتی۔

دوم: حضور ﷺ نے جب بت پرستی کی مذمت کی تو مشرکین نے دھمکایا اور کہا، بتوں کو برا کہنے والے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ اس پر یہ آیت (۱۹۶) نازل ہوئی۔

سوم: بتوں کا عاجز ہونا بیان ہوا کہ وہ تمہاری کیا مدد کریں گے جو خود اتنے بے اختیار ہیں کہ کوئی انہیں توڑ دے یا گرا دے تو اس سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔

چہارم: چونکہ مجسمے انسانی شکل کے بنائے جاتے تھے جن میں آنکھوں کی جگہ جواہرات لگے ہوتے، اس لیے بظاہر یہ لگتا کہ وہ دیکھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ بصارت سے محروم ہوتے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

كَانَتۡ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ مِنۡ جَوَاهِرَ مَصۡنُوۡعَةٌ۔

ان کی آنکھیں مصنوعی ہیں جو جواہرات سے بنائی گئی ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ﴾ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ مِنَ الۡاَصۡنَامِ ﴿عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ﴾ مَخۡلُوۡقُوۡنَ اَمۡثَالُكُمۡ......۔ (تفسیر ابن عباس)

''بیشک وہ جن کو تم پکارتے ہو یعنی عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا، وہ بت ہیں، تمہاری طرح کے بندے ہیں یعنی تمہاری صورتوں پر بنائے گئے ہیں''۔

2۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں،

يَقُوْلُ جَلَّ ثَنَاءُهٗ لِهٰؤُلَاءِ الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ ....۔

''اللہ تعالیٰ بتوں کی عبادت کرنے والے مشرکوں سے فرماتا ہے''۔

(زیرِ آیت ۱۹۴)

يَقُوْلُ تَعَالٰی ذِكْرُهٗ لِهٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ عَبَدُو الْاَصْنَامَ ....۔

''بلند ذکر والا اللہ تعالیٰ اصنام کی عبادت کرنے والوں سے فرماتا ہے''۔

(جامع البیان، زیرِ آیت ۱۹۵)

3۔ امام ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ (م ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں،

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ يَعْنِى الْاَصْنَامَ ﴿عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ يُرِيْدُ اَنَّهَا مَمْلُوْكَةٌ اَمْثَالُكُمْ۔

یعنی اللہ کے سوا تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری طرح انسانی شکل و صورت کے مجسمے ہیں۔ جیسے تم اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہو ویسے ہی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں۔ (تفسیر معالم التنزیل)

4۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں،

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بت تو پتھر اور لکڑی بے جان مجسمے ہوتے ہیں پھر ان کو ﴿عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ کیوں کہا گیا؟

جواب یہ ہے کہ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ بت زندہ ہیں، سنتے اور سمجھتے ہیں اور نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لیے ان کے عقیدے کے مطابق انہیں سمجھایا گیا کہ یہ سنتے سمجھتے ہیں تو تمہیں جواب کیوں نہیں دیتے۔

دوم: یہ الفاظ بطور استہزاء کے ہیں یعنی بالفرضِ محال یہ سنتے اور سمجھتے بھی ہیں تو پھر بھی یہ تمہاری طرح کے بندے ہوئے، انہیں تم پر کوئی فضیلت تو نہ ہوئی تو پھر یہ تمہارے معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر کبیر، ملخصاً)

5۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۸ھ) فرماتے ہیں،

حَاجَّهُمْ فِيْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ ﴿تَدْعُوْنَ﴾ تَعْبُدُوْنَ...... وَسُمِّيَتِ الْاَوْثَانُ عِبَادًا لِاَنَّهَا مَمْلُوْكَةٌ لِلّٰهِ مُسَخَّرَةٌ وَالْمَعْنٰى اَنَّ الْاَصْنَامَ مَخْلُوْقَةٌ اَمْثَالُكُمْ۔

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے بتوں کی عبادت میں حجت فرمائی ہے۔ ﴿تَدْعُوْنَ﴾ کا معنی ہے، تَعْبُدُوْنَ یعنی جس کی تم عبادت کرتے ہو......۔ اور بتوں کو ﴿عِبَادٌ﴾ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور اس کے زیرِ حکم ہیں۔ ﴿اَمْثَالُكُمْ﴾ کا معنی یہ ہے کہ پتھر اور لکڑی کے تراشے ہوئے وہ مجسمے تمہاری طرح انسانی شکل پر بنائے گئے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن)

6۔ علامہ عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) لکھتے ہیں،

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''اَیْ تَعْبُدُوْنَهُمْ'' یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ یہاں ﴿تَدْعُوْنَ﴾ ''تَعْبُدُوْنَ'' کے معنی میں ہے کہ تم ان کو معبود قرار دیتے ہو۔ ﴿عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ یعنی وہ تمہاری طرح مخلوق اور مملوک ہیں ﴿فَادْعُوْهُمْ﴾ پس تم ان کو نفع پانے اور نقصان دور کرنے کے لیے پکارو ﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ پھر چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ وہ تمہارے معبود ہیں۔ (مدارک التنزیل)

7۔ علامہ علی بن محمد خازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۵ھ) فرماتے ہیں،

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ يَعْنِىْ اَنَّ الْاَصْنَامَ الَّتِىْ يَعْبُدُهَا هٰؤُلَاءِ الْمُشْرِكُوْنَ اِنَّمَا هِىَ مَمْلُوْكَةٌ لِلّٰهِ اَمْثَالُهُمْ ....

یعنی وہ بت جن کی یہ مشرکین عبادت کرتے ہیں، بیشک یہ بت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں جس طرح ان کے پجاری اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں۔ (لباب التاویل)

8۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں،

اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کی مذمت فرمائی ہے جو بتوں اور مجسموں کو عبادت میں شریک کرتے تھے حالانکہ وہ خود مخلوق اور مملوک ہیں۔ نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں۔ یہ بے جان مجسمے ہیں جو نہ حرکت کرتے ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ ہی دیکھتے ہیں ....۔ چونکہ ان بتوں کے ڈھانچے انسانی شکل کے ہیں اور ان کی مصنوعی آنکھیں بھی ہیں اس لیے محسوس یہ ہوتا ہے کہ یہ دیکھتے ہیں حالانکہ (یہ دیکھ نہیں سکتے کیونکہ) یہ بے جان جمادات ہیں۔ (تفسیر القرآن)

9۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) رقمطراز ہیں،

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ﴾ تَعْبُدُوْنَ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ﴾ مَمْلُوْكَةٌ...... ...... وَتَرٰهُمْ اَیْ الْاَصْنَام۔

بیشک تم جن کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں یعنی جیسے تم اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہو اسی طرح یہ بھی رب تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں۔...... یعنی تم ان بتوں کو دیکھتے ہو کہ جیسے وہ تمہیں دیکھتے ہیں مگر یہ دیکھ نہیں سکتے۔ (جلالین)

10۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) رقمطراز ہیں،

جن کی تم عبادت کرتے ہو اور ان کو معبود کہتے ہو، وہ تمہاری طرح مخلوق، مملوک، مطیع اور ارادے کے تابع ہیں۔...... اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ تمہاری طرح زندہ اور عقل رکھتے ہیں تو یہ بے بس۔ لاچار بت عبادت کے مستحق کیونکر ہو سکتے ہیں؟ تم بھی زندہ اور عقل والے ہو۔ جب تم ایک دوسرے کی عبادت کے مستحق نہیں تو یہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ تو تم سے بھی گھٹیا درجہ کے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

تھانوی صاحب نے بھی اس آیت میں لفظ ﴿تَدْعُوْنَ﴾ کا ترجمہ ''جن کی عبادت کرتے ہو'' کیا ہے۔ ان کے نزدیک بھی یہاں بت مراد ہیں۔

(بیان القرآن: ۱۵۸)

شبیر احمد عثمانی صاحب، مودودی صاحب اور محمد شفیع عثمانی صاحب کے نزدیک بھی ان آیات میں بتوں کا ذکر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(تفسیر عثمانی: ۲۲۹، تفہیم القرآن ج ۲: ۱۰۹، معارف القرآن ج ۴: ۱۵۱)

مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اس تفسیر پر متفق ہیں کہ ان آیات میں ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ سے مراد بت ہیں۔ پھر تعجب ہے اُس طبقہ پر جو اِن آیات کو محض اپنی رائے سے انبیاء کرام اور اولیاء عظام پر چسپاں کرنے پر بضد ہے، اسے اللہ قہار و جبار سے ڈرنا چاہیے۔ یہ حدیث مبارکہ بھی ذہن نشین رہے۔

﴿مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَأْیِهٖ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ﴾

''جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے کو داخل کیا اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم سمجھ لے''۔ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن)

﴿☆...... 3 ......☆﴾

﴿وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَی الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ﴾

''اور اُس کے سوا جن کو پکارتے ہیں، وہ ان کی کچھ بھی نہیں سنتے مگر اُس کی طرح جو پانی کے سامنے اپنی ہتھیلیاں پھیلائے بیٹھا ہے کہ اُس کے منہ میں پہنچ جائے اور وہ ہرگز نہ پہنچے گا، اور کافروں کی ہر دعا بھٹکتی پھرتی ہے''۔ (الرعد: ۱۴، کنز الایمان)

اس آیت میں بھی ﴿یَدْعُوْنَ﴾ ''پکارنے'' کی تفسیر ﴿یَعْبُدُوْنَ﴾ ''عبادت'' سے کی گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ﴾ کی تفسیر یہ فرمائی،

﴿مَثَلُ الْمُشْرِكِ الَّذِیْ عَبَدَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ غَیْرَهٗ﴾

''یہ اس مشرک کی مثال ہے جو اللہ کے سوا کسی غیر کی عبادت کرتا ہے''۔

(بخاری کتاب التفسیر)

تمام مفسرین کرام نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ﴾ يَعْبُدُوْنَ ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...... يَقُوْلُ كَمَا لَا يَبْلَغُ الْمَاءُ فَاءَ هٰذَا الرَّجُلِ كَذَالِكَ لَا تَنْفَعُ الْاَصْنَامُ مَنْ عَبَدَهَا۔

جولوگ پکارتے ہیں یعنی عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا............۔ جیسے اس شخص کے منہ تک اس حال میں پانی نہیں پہنچ سکتا اسی طرح بت بھی اپنے پوجنے والوں کو کوئی نفع نہیں دے سکتے۔ (تفسیر ابن عباس)

2۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ يَقُوْلُ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ :وَالْاٰلِهَةُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَهَا الْمُشْرِكُوْنَ اَرْبَابًا وَّ اٰلِهَةً......

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان باطل معبودوں کے متعلق فرمایا ہے جن کو مشرکین اپنا رب سمجھ کر اور معبود سمجھ کر پکارتے ہیں۔ (جامع البیان)

3۔ امام ابومحمد الحسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اَيْ يَعْبُدُوْنَ الْاَصْنَامَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ تعالٰى.

وہ جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی مشرکین عبادت کرتے ہیں۔ (تفسیر معالم التنزیل)

4۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اَيْ يَعْبُدُوْنَ الْاَصْنَامَ وَالْاَوْثَانَ۔...... ﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ اَيْ لَيْسَتْ عِبَادَةُ الْكَافِرِيْنَ الْاَصْنَامَ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ۔

جولوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں یعنی عبادت کرتے ہیں بتوں اور مجسموں کی، وہ ان کی کچھ بھی نہیں سنتے۔......اور کافروں کی ہر دعا بھٹکتی پھرتی ہے یعنی ان کا بتوں اور مجسموں کی عبادت کرنا سراسر گمراہی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن)

5۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ يَعْنِي الْاٰلِهَةَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَهُمُ الْكُفَّارُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ....فَكَذٰلِكَ مَايَدْعُوْنَهٗ جَمَادٌ......۔

جولوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں یعنی وہ باطل معبود جنہیں کفار اللہ کے سوا پکارتے ہیں......۔جس طرح پانی میں جواب دینے کی طاقت ہے نہ منہ تک پہنچنے کی اسی طرح وہ بت ہیں جنہیں کفار پکارتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

6۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اَيْ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يَعْبُدُوْنَ اٰلِهَةً غَيْرَ اللّٰهِ ......۔

''اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا'' یعنی یہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کی مثال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

7۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

وہ لوگ جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کا ذکر کرتے ہیں اور ان سے اپنی حاجات کا سوال کرتے ہیں..........کفار کا ان بتوں کو پکارنا یعنی ان کی عبادت کرنا، ان سے حاجات طلب کرنا ضایع، نقصان اور باطل ہے۔ (تفسیر مظہری)

8۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ قمطراز ہیں،

امام ابن جریر، ابن المنذر، اور ابن ابی الحاتم رحمہم اللہ نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ وہ شخص گویا اپنی زبان سے پانی کو پکارتا ہے اور اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے تو اس طرح اس کی طرف پانی کبھی نہیں آئے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی یہ مشرک عبادت کرتے ہیں اور انہیں پکارتے ہیں وہ کبھی ان کی بات نہیں سنیں گے۔ (تفسیر دُرِ منثور)

9۔ علامہ عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''جیسے پانی بے جان ہے، وہ ہاتھوں کو پھیلانے والے کی حاجت کونہیں سمجھتا، نہ اس کی پیاس کوجانتا ہے، نہ اس کی حاجت سے آگاہ ہے، نہ وہ اس کی دعا قبول کرنے کی قدرت واختیار رکھتا ہے اور نہ اس کے منہ میں خود پہنچ سکتا ہے اسی طرح کفار جو بے جان بتوں کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کونہیں سمجھتے، نہ ان کی دعا کو قبول کرتے ہیں اور نہ ہی ان کو نفع دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔ (تفسیر مدارک التنزیل)

10۔ علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ قمطراز ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اَیْ وَالْاَصْنَامُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَهُمْ۔

جو پکارتے ہیں اُس کے سوا یعنی وہ بت ہیں جنہیں کافر پکارتے ہیں۔

(تفسیر روح البیان)

11۔ تفسیر جلالین میں ہے،

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ﴾ يَعْبُدُوْنَ ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اَیْ غَيْرِهٖ وَهُمُ الْاَصْنَامُ۔

جولوگ پکارتے ہیں یعنی پوجتے ہیں، اُس کے سوا یعنی اللہ کے علاوہ اور وہ بت ہیں۔ (جلالین)

ان تفاسیر سے ثابت ہوگیا کہ اس آیت میں ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ سے مراد بت ہیں۔ انبیاء واولیاء کوان آیات کا مصداق قرار دینا یقیناً کھلی گمراہی ہے۔

الحمدللہ! مسلمان کسی نبی یا ولی کو معبود سمجھ کرنہیں پکارتے اور نہ ہی کسی کو اللہ تعالیٰ کے مقابل پکارتے ہیں۔ قرآن وحدیث گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے کئی میل دور سے چیونٹی کی آواز سنتے ہیں، آنکھ جھپکنے سے پہلے عظیم تخت لاتے ہیں، اندھوں کو آنکھیں دیتے ہیں، کوڑھ کے مریضوں کو شفا دیتے ہیں، مردے زندہ کرتے ہیں، غیب کی باتیں بتاتے ہیں، اپنی قمیض سے بینائی دیتے ہیں، جنات، ملائکہ، چرند، پرند اور ہواؤں پر حکومت کرتے ہیں، اور مسلمان یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی

قدرت سے اُس کی مشیت کے تابع جانتے ہیں۔

﴿☆......4......☆﴾

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ o اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ (النحل:۲۰،۲۱)

ایک ترجمہ یہ ہے،''اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوائے، کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں۔ مردے ہیں جن میں جان نہیں اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے''۔

ایک اور ترجمہ یہ ہے،''اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ، اوران کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کرکے) اٹھایا جائے گا''۔

انہی صاحب نے اپنی تفسیر میں دعویٰ کیا ہے کہ:''اس آیت میں الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد وہ انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو غالی معتقدین......حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کردیتے ہیں''۔

کیا یہ تحریر انبیاء، شہداء واولیاء کی حیات بعداز وصال کے انکار کے مترادف نہیں؟

قرآن گواہ ہے کہ ہر نبی کو اُس کے وقت میں سارے جہانوں پر فضیلت دی گئی۔

﴿وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانعام:۸۶)

پس نبی شہید سے افضل ہوتا ہے، اور شہید کو مردہ کہنا حرام ہے اور سمجھنا بھی۔

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ (اٰلِ عمران:۱۶۹)

''اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں''۔ (کنزالایمان)

حدیثِ ذی شان ہے،﴿اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ﴾

''انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں،نمازیں پڑھتے ہیں''۔(مسند ابی یعلیٰ ، امام بیہقی نے اسے''حیات الانبیاء''میں روایت کیا،اس حدیث کی سند صحیح ہے)

[اولیاء کی حیات بعداز وصال سے متعلق دلائل علامہ سید شاہ تراب الحق قادری حفظہ اللہ کی کتاب''مزاراتِ اولیاءاور توسل''میں ملاحظہ فرمائیے۔]

اکابر ائمہ دین اور جمہور مفسرین کے نزدیک''وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' سے مراد بت ہیں اور''یَدْعُوْنَ''کا صحیح ترجمہ''عبادت کرتے''یا''پوجتے ہیں''۔

''اور اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں۔مردے ہیں زندہ نہیں،اور انہیں خبر نہیں،لوگ کب اٹھائے جائیں گے''۔

(اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

1۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

(وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ) تَعْبُدُوْنَ (مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا) لَا یَقْدِرُوْنَ اَنْ یَّخْلُقُوْا شَیْئًا کَخَلْقِنَا (وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ) یُنْحَتُوْنَ مَخْلُوْقَةً مَنْحُوْتَةً (اَمْوَاتٌ) اَصْنَامٌ اَمْوَاتٌ۔

''اور وہ جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر،وہ کسی چیز کی تخلیق پر کوئی قدرت نہیں رکھتے ہماری تخلیق کی طرح،بلکہ وہ خود بنائے گئے ہیں،گھڑے ہوئے تراشے ہوئے،بے جان بت ہیں''۔(تفسیر ابن عباس)

2۔امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ(متوفی ۳۱۰ھ)فرماتے ہیں،یَقُوْلُ تَعَالٰی ذِکْرُہٗ وَاَوْثَانُکُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اٰلِھَةً لَا تَخْلُقُ شَیْئاً وَھِیَ تُخْلَقُ فَکَیْفَ یَکُوْنُ اِلٰھاً مَا کَانَ مَصْنُوْعاً مُدَبَّرًا لَا تَمْلِکُ لِاَنْفُسِھَا نَفْعاً وَّلَا ضَرًّا۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب ہے کہ:

''اے لوگو!تمہارے وہ بت جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو،کسی چیز کو پیدا

نہیں کر سکتے،یہ تو خود بنائے ہوئے ہیں۔تو جو خود بنایا ہوا ہو،اور اپنے لیے بھی کسی نفع نقصان کا مالک نہ ہو،وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے''۔

اگلی آیت کی تفسیر میں مزید رقمطراز ہیں،

وَھِیَ ھٰذِہِ الْاَوْثَانُ الَّتِیْ تُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ لَا اَرْوَاحَ فِیْھَا۔

''یہاں وہ بت مراد ہیں جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے،وہ مردہ ہیں یعنی ان میں روحیں نہیں ہیں''۔(جامع البیان)

3۔امام ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ(م ۵۱۶ھ)فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ یَعْنِی الْاَصْنَامَ ﴿لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ﴾﴿اَمْوَاتٌ﴾ اَیِ الْاَصْنَامُ......

اور جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا یعنی بتوں کو،وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں،بے جان مجسمے ہیں،اور وہ بت نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔(معالم التنزیل)

4۔امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ(متوفی ۶۰۶ھ)فرماتے ہیں،

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتوں کی کئی صفات بیان فرمائی ہیں۔

اول:وہ کسی چیز کے خالق نہیں ہیں بلکہ خود بنائے گئے ہیں۔

دوم:وہ مردہ ہیں،زندہ نہیں۔معنی یہ ہے کہ اگر یہ حقیقت میں معبود ہوتے تو زندہ ہوتے،مردہ نہ ہوتے۔

سوم:وَمَا یَشْعُرُوْنَ کی ضمیر اصنام کی طرف لوٹتی ہے یعنی یہ بت نہیں جانتے کہ انہیں کب زندہ کیا جائے گا''۔(تفسیر کبیر)

پھر فرماتے ہیں،اِنَّ ھٰذَا الْکَلَامَ مَعَ الْکُفَّارِ الَّذِیْنَ یَعْبُدُوْنَ الْاَوْثَانَ۔

''بیشک یہ کلام اُن کافروں کے بارے میں ہے جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں''۔

5۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۸ھ) فرماتے ہیں،

یَعْنِی الْاَصْنَامَ لَا اَرْوَاحَ فِیْهَا لَا تَسْمَعُ وَلَا تُبْصِرُ اَیْ هِیَ جَمَادَاتٌ فَکَیْفَ تَعْبُدُوْنَهَا وَاَنْتُمْ اَفْضَلُ مِنْهَا بِالْحَیَاةِ۔

’’اس سے مراد بت ہیں، ان میں روحیں نہیں۔ نہ یہ کچھ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ یعنی یہ جمادات ہیں تو اے مشرکو! تم ان کی عبادت کیسے کرتے ہو جبکہ تم زندہ ہونے کی وجہ سے ان سے افضل ہو‘‘۔ (الجامع لاحکام القرآن)

پھر آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان فرمایا کہ:

’’قیامت کے دن ان بتوں کو اٹھایا جائے گا، ان کے ساتھ ان کی روحیں ہوں گی اور وہ کفار کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ دنیا میں یہ بت جماد ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ انہیں کب زندہ کیا جائے گا‘‘۔ (ایضاً)

6۔ علامہ عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں،

نُفِیَ عَنْهُمْ خَصَائِصُ الْاِلٰهِیَّةِ بِنَفْیِ کَوْنِهِمْ خَالِقِیْنَ وَاَحْیَاءً لَا یَمُوْتُوْنَ وَعَالِمِیْنَ بِوَقْتِ الْبَعْثِ وَاَثْبَتَ لَهُمْ صِفَاتُ الْخَلْقِ بِاَنَّهُمْ مَخْلُوْقُوْنَ اَمْوَاتٌ جَاهِلُوْنَ بِالْبَعْثِ وَمَعْنٰی اَمْوَاتٍ غَیْرُ اَحْیَاءٍ اِنَّهُمْ لَوْ کَانُوْا آلِهَةً عَلَی الْحَقِیْقَةِ لَکَانُوْا اَحْیَاءَ غَیْرَ اَمْوَاتٍ۔

’’یہاں بتوں سے اُلوہیت کے خصائص کی نفی کی گئی ہے کیونکہ نہ تو وہ خالق ہیں اور نہ دائمی طور پر زندہ، اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مخلوق کو کب اٹھایا جائے گا۔ ان کے لیے مخلوق کی صفات ثابت ہیں یعنی وہ مردہ ہیں، قیامت اور حشر ونشر سے بے خبر ہیں۔ ان کے مردہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان میں زندگی آئی ہی نہیں۔ اگر وہ حقیقت میں معبود ہوتے تو وہ دائمی طور پر زندہ ہوتے‘‘۔ (تفسیر مدارک التنزیل)

7۔ تفسیر ابن کثیر میں بھی ہے کہ یہ آیات بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں،

ثُمَّ اَخْبَرَ اَنَّ الْاَصْنَامَ الَّتِیْ یَدْعُوْنَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ۔.........اَیْ هِیَ جَمَادَاتٌ لَا اَرْوَاحَ فِیْهَا فَلَا تَسْمَعُ وَلَا تُبْصِرُ وَلَا تَعْقِلُ۔

’’پھر خبر دی گئی کہ کفار اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ انہیں خود تخلیق کیا گیا ہے۔.......ان بتوں کے متعلق فرمایا گیا، یہ بت بے جان مجسمے ہیں، نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ عقل رکھتے ہیں‘‘۔

8۔ علامہ علی بن محمد خازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۵ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں،

یَعْنِی الْاَصْنَامَ الَّتِیْ یَدْعُوْنَهَا اٰلِهَةً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔

’’یعنی وہ بت جنہیں یہ (مشرکین) معبود سمجھ کر پکارتے ہیں‘‘۔ (تفسیر خازن)

9۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) رقمطراز ہیں،

﴿وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ﴾ یَعْبُدُوْنَ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ وَهُوَ الْاَصْنَامُ ﴿لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ﴾ یُصَوَّرُوْنَ مِنَ الْحِجَارَةِ وَغَیْرِهَا ﴿اَمْوَاتٌ﴾ لَا رُوْحَ فِیْهِمْ خَبَرٌ ثَانٍ ﴿غَیْرُ اَحْیَآءٍ﴾ تَاکِیْدٌ ﴿وَمَا یَشْعُرُوْنَ﴾ اَیِ الْاَصْنَامُ ﴿اَیَّانَ﴾ وَقْتٍ ﴿یُبْعَثُوْنَ﴾ اَیِ الْخَلْقُ فَکَیْفَ یَعْبُدُوْنَ اِذْ لَا یَکُوْنُ اِلٰهًا اِلَّا الْخَالِقُ الْحَیُّ الْعَالِمُ بِالْغَیْبِ۔

’’اس کے معنی ہیں، یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی جو لوگ پوجتے ہیں اللہ کے سوا دوسروں کو۔ یہاں غیر اللہ سے مراد بت ہیں جو کسی کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود تخلیق کیے جاتے ہیں۔ وہ پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں۔ وہ مردہ ہیں کیونکہ ان میں روح ہوتی ہی نہیں۔ یہ دوسری خبر ہے اور غَیْرُ اَحْیَآءٍ اسی کی تاکید ہے۔ وہ بت نہیں جانتے کہ کب مخلوق کو زندہ کیا جائے گا۔ پس ان کی عبادت کیسے کی جا سکتی ہے کیونکہ معبود وہ ہوتا ہے جو خالق ہو، ہمیشہ زندہ رہے، غیب کا عالم ہو‘‘۔ (تفسیر جلالین)

10۔ علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۳۷ھ) فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ﴾ اَیْ وَالْاٰلِهَةُ الَّذِیْنَ یَعْبُدُوْنَهَا الْکُفَّارُ وَالدُّعَاءُ بِمَعْنَی الْعِبَادَةِ

فِی الْقُرْاٰنِ کَثِیْرٌ۔

یعنی وہ معبود جنہیں کافر پوجتے ہیں۔اور دعا کا لفظ قرآن میں کثیر جگہ عبادت کے معنی میں آیا ہے۔(تفسیر روح البیان)

11۔ تفسیر مظہری میں بھی یہی ہے کہ یہ آیات بتوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) رقمطراز ہیں،

''ان کے اپنے وجود پتھر اور لکڑی سے تراشے گئے ہیں۔ان کی اپنی ذات ہی وجود کی محتاج ہے تو پھر ان سے کسی دوسری چیز کی تخلیق کا تصور کیسے ممکن ہے۔..........
ان کا دوبارہ اٹھنا اور ان کے عبادت گزاروں کا دوبارہ اٹھنا جب ان کے اختیار اور علم میں نہیں تو وہ اپنے عبادت گزاروں کی جزا پر کیسے قادر ہوسکتے ہیں، پھر ایسے بے جان بتوں کی عبادت کا کیا فائدہ ہے، پس یہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں''۔(مظہری)

12۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

وَالْاٰلِھَۃُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَھُمْ اَیُّھَا الْکُفَّارُ۔

''وہ معبود جن کو تم پوجتے ہو اے کافرو''۔

مزید مرقوم ہے،وَھٰذَا مِنْ بَابِ التَّھَکُّمِ بِھِمْ بِنَاءً عَلٰی اِرَادَۃِ الْاَصْنَامِ لِاَنَّ شُعُوْرَ الْجَمَادِ بِالْاُمُوْرِ الظَّاھِرَۃُ۔

''یہ کلام بطور استہزاء بتوں کا عاجز ہونا ظاہر کرنے کے لیے ہے کیونکہ بت جماد ہیں، ان سے ظاہری امور کا شعور ممکن نہیں''۔(روح المعانی)

ان اکابر مفسرین کرام کی تفاسیر سے ثابت ہوگیا کہ ''وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' کا مصداق بت ہیں جبکہ خارجی فکر کے لوگ اس کا مصداق انبیاء، اولیاء اور صالحین کو قرار دے کر اہلسنت کو مشرک کہتے ہیں، جو کہ صریح بہتان اور عظیم ظلم ہے۔ رب تعالیٰ قرآن وحدیث کا صحیح فہم عطا فرمائے، آمین۔

☆...... 5 ......☆

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا○ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا﴾

(بنی اسرائیل:۵۶،۵۷)

''تم فرماؤ! پکارو اُنہیں جن کو اللہ کے سوا (معبود) گمان کرتے ہو، تو وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے اور نہ پھیر دینے کا۔ وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے، اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بیشک تمہارے رب کا عذاب ڈر کی چیز ہے''۔(کنزالایمان)

پہلی آیت میں بتوں اور دوسرے معبودوں کا ذکر ہے۔ بتوں کا بے بس اور بے اختیار ہونا تو بالکل واضح ہے جبکہ جن مقرب بندوں کو مشرکین پوجتے تھے، ان کے نفع نقصان کے ذاتی اختیار کی نفی بیان ہوئی ہے۔ جبکہ جمہور کے نزدیک دوسری آیت میں اُن مقبول بندوں کا ذکر ہے جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت عُزیر علیہما السلام اور ملائکہ یا بعض جنات۔

بعض لوگ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ترجمہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آیت میں ﴿یَدْعُوْنَ﴾ کا لفظ ہے اور اس کا ترجمہ ''پوجتے ہیں'' کر دیا ہے جو غلط ہے۔ جواباً عرض ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ تمام مستند تفاسیر، روحِ قرآن اور صحیح احادیث کے عین مطابق ہے۔

پہلے صحیح بخاری سے اس آیت کی تفسیر میں دو احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

﴿الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾

قَالَ كَانَ نَاسٌ مِّنَ الْجِنِّ يُعْبَدُوْنَ فَاَسْلَمُوْا۔

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جنوں میں سے ایک گروہ تھا جن کی عبادت کی جاتی تھی پس وہ مسلمان ہو گئے (اور ان کی عبادت کرنے والوں کو معلوم نہ ہو سکا)۔

دوسری روایت میں ہے:

كَانَ نَاسٌ مِنَ الْاِنْسِ يَعْبُدُوْنَ نَاسًا مِنَ الْجِنِّ فَاَسْلَمَ الْجِنُّ وَتَمَسَّكَ هٰؤُلَاءِ بِدِيْنِهِمْ۔

یعنی بعض لوگ بعض جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ جن تو مسلمان ہو گئے اور ان لوگوں نے ان جنوں کے دین کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ (بخاری کتاب التفسیر)

مذکورہ دونوں احادیث میں ﴿يَدْعُوْنَ﴾ کا ترجمہ ﴿يَعْبُدُوْنَ﴾ خط کشیدہ نمایاں ہے۔ اب تفاسیر ملاحظہ کیجیے۔

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

﴿قُلْ﴾ يَامُحَمَّدُ لِخَزَاعَةَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ وَظَنُّوا اَنَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ ﴿ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ﴾ عَبَدْتُّمْ ﴿مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِنْدَ الشِّدَّةِ ......

اے محمد ﷺ! تم فرماؤ بنی خزاعہ کے ان کافروں سے جو جنات کو فرشتے سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہیں، اُن سے فرما دو کہ بلاؤ اُن کو جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو سختی کے وقت......۔ (تفسیر ابن عباس)

2۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

يَقُوْلُ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ لِنَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِمُشْرِكِيْ قَوْمِكَ الَّذِيْنَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ خَلْقِهٖ اُدْعُوْا اَيُّهَا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ اَرْبَابٌ وَاٰلِهَةٌ مِنْ دُوْنِهٖ............

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے، اے حبیب ﷺ! آپ اپنی قوم کے اُن مشرکوں

سے فرما دو جنہوں نے اللہ کے سوا اُس کی مخلوق کی عبادت کی کہ اے لوگو! بلاؤ اُن کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا رب اور معبود بنایا ہوا ہے............

كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْمَلَائِكَةَ وَعُزَيْرًا وَالْمَسِيْحَ وَبَعْضُهُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ.

وہ عبادت کرتے تھے ملائکہ، حضرت عُزیر، حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور بعض جنوں کی۔
(تفسیر جامع البیان)

3۔ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

لَمَّا ابْتُلِيَتْ قُرَيْشٌ وَشَكَوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ. اَىْ﴿ اُدْعُوا الَّذِيْنَ﴾ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ اٰلِهَةٌ۔

جب قریش قحط میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے رسول معظم ﷺ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یعنی اے حبیب ﷺ! تم ان سے فرماؤ، اب بلاؤ اُن کو جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہو اور جنہیں تم نے معبود بنا رکھا ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن)

4۔ امام ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

مشرکین اس قدر شدید قحط میں مبتلا ہوئے کہ کتے اور مُردار کھانے تک نوبت پہنچ گئی۔ اس پر انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دعا کے لیے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

﴿قُلْ﴾ لِلْمُشْرِكِيْنَ ﴿اُدْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ﴾ اَنَّهَا اٰلِهَةٌ ......

اے حبیب ﷺ! ان مشرکوں سے فرما دو کہ اب اُنہی کو پکارو جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھا ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل)

5۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

اَنَّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ لَيْسَ لَنَا اَهْلِيَّةٌ اَنْ نَشْتَغِلَ بِعِبَادَةِ اللّٰهِ فَنَحْنُ نَعْبُدُ بَعْضَ الْمُقَرَّبِيْنَ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ......

مشرکین یہ کہا کرتے تھے کہ ہم اس کے اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں اس لیے ہم اس کے بعض مقرب بندوں کی عبادت کر لیتے ہیں اور وہ ''فرشتے'' ہیں۔ پھر مشرکین اُن ملائکہ کی خیالی صورتیں اور تمثیلیں بنا کر انہیں پوجنے لگتے۔

وہ مزید فرماتے ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت اُن کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کی عبادت کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اُن لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے بعض جنوں کی عبادت کی۔ (تفسیر کبیر)

6۔ علامہ خازن رحمہ اللہ نے بھی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ (تفسیر لباب التاویل)

7۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے تحت تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں،

اَیْ مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَنْدَادِ۔ یعنی بت اور معبود مراد ہیں۔..........

کَانَ اَهْلُ الشِّرْکِ یَقُوْلُوْنَ نَعْبُدُ الْمَلٰئِکَةَ وَالْمَسِیْحَ وَعُزَیْرًا۔

مشرک لوگ یہ کہتے تھے کہ ہم پوجتے ہیں فرشتوں کو اور عیسیٰ کو اور عزیر علیہما السلام کو۔

8۔ علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿قُلِ ادْعُوْا﴾ بخوانید ای مشرکان مکه ﴿الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ﴾ اَنَّهُمْ اٰلِهَةٌ ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اَیْ مُتَجَاوِزِیْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی کَالْمَلٰئِکَةِ وَالْمَسِیْحِ وَاُمِّهٖ وَعُزَیْرٍ۔

یعنی اے حبیب ﷺ! تم ان مشرکینِ مکہ سے فرما دو کہ تم بلاؤ اُن کو جنہیں اللہ تعالیٰ سے تجاوز کرتے ہوئے تم پوجتے ہو جیسے کہ فرشتوں کو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اُن کی والدہ اور حضرت عزیر علیہ السلام کو۔ (تفسیر روح البیان)

9۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

اس آیت کے تحت امام ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشرکین ملائکہ، عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی عبادت کیا کرتے تھے۔ (تفسیر دُرِّ منثور)

10۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

یعنی جنات میں سے مشرکین جنہیں خدا سمجھ کر پکارتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

11۔ تفسیر جلالین میں ہے،

﴿قُلْ﴾ لَهُمْ ﴿اُدْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ﴾ اَنَّهُمْ اٰلِهَةٌ ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ کَالْمَلٰئِکَةِ وَعِیْسٰی وَعُزَیْرٍ۔

اے حبیب ﷺ! تم فرما دو اِن سے کہ بلاؤ اُن کو جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھا ہے جیسے کہ فرشتے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام۔ (جلالین)

12۔ ﴿اَیُّهُمْ﴾ اَیْ یَبْتَغِیْ مَنْ هُوَ ﴿اَقْرَبُ﴾ مِنْهُمُ الْوَسِیْلَةَ اِلَی اللّٰهِ فَکَیْفَ بِغَیْرِ الْاَقْرَبِ۔

یعنی جو اُن میں سے اللہ تعالیٰ کے قریب ترین ہیں وہ بھی رب تعالیٰ کے مزید قرب کے لیے وسیلہ ڈھونڈتے ہیں تو جو اللہ تعالیٰ کے قریب نہیں ہیں وہ اُس کا قرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ کیوں نہ ڈھونڈیں!!! (تفسیر مدارک التنزیل)

ان آیات مبارکہ کی تفاسیر کے مطالعہ سے دو باتیں واضح ہوئیں۔

اول: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں خواہ وہ مقرب فرشتے ہوں یا محبوب بندے جیسے کہ انبیاء کرام۔ رب تعالیٰ کے محبوب بندے مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں مگر وہ مشرکوں کی مدد نہیں کرتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''اللہ کو چھوڑ کر کافروں کے لیے نہ کوئی مددگار رہے نہ حمایتی''۔ (الانعام:۵۱)

اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس کے محبوب بندے مدد کرتے ہیں اور ان کا مدد کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی مدد کی ایک صورت ہے نیز ان سے مدد مانگنا انبیاء وصالحین کا طریقہ ہے جیسا کہ کتاب کی ابتدا میں مذکور ہے۔

دوم: مشرکین جن مقبول بندوں کی عبادت کرتے تھے وہ خود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کسی زیادہ مقرب بندے کا وسیلہ ڈھونڈتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مقرب بندوں کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانا، جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا یہی طریقہ ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

﴿☆...... 6 ......☆﴾

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾

''اے لوگو! ایک کہاوت فرمائی جاتی ہے، اسے کان لگا کر سنو! وہ جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو، ایک مکھی نہ بنا سکیں گے اگرچہ سب اس پر اکٹھے ہو جائیں۔ اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا نہ سکیں، کتنا کمزور چاہنے والا اور وہ جس کو چاہا''۔ (الحج:۷۳، کنز الایمان)

اس آیت کریمہ میں بھی ﴿تَدْعُوْنَ﴾ بمعنی ﴿تَعْبُدُوْنَ﴾ ہے اور یہ مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بتوں کو پوجتے تھے۔ اس آیت کی تفسیر مستند تفاسیر کی روشنی میں ملاحظہ فرمایئے۔

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ﴾ تَعْبُدُوْنَ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ مِنَ الْاَوْثَانِ ﴿لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا﴾ لَنْ یَّقْدِرُوْا اَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا ﴿وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ لَوِ اجْتَمَعَ الْعَابِدُ وَالْمَعْبُوْدُ...... ﴿وَاِنْ یَّسْلُبْهُمْ﴾ یَاْخُذْ ﴿الذُّبَابُ﴾ مِنَ الْاٰلِهَةِ ﴿شَیْـًٔا﴾ مِمَّا لَطَخُوْا عَلَیْهَا مِنَ الْعَسَلِ ...... ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ﴾ یَعْنِی الصَّنَمَ ﴿وَالْمَطْلُوْبُ﴾ اَلذُّبَابَ ......

بیشک اللہ کے علاوہ جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو، وہ ایک مکھی بنانے کی

قدرت بھی نہیں رکھتے اگرچہ وہ سب معبود اور ان کے پجاری اکٹھے ہو جائیں، اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے مثلاً شہد وغیرہ جو بتوں پر ملا جاتا ہے، تو یہ اتنی طاقت بھی نہیں رکھتے کہ اُسے چھڑا لیں، پھر یہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں؟...... طالب یعنی بت اور مطلوب یعنی مکھی دونوں کمزور ہیں یعنی مکھی کمزور ہے اور بت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہ اس سے زیادہ کمزور ہوئے، یا یہ کہ عابد اور معبود دونوں کمزور ہیں۔

(تفسیر ابن عباس)

2۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں،

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا﴾ یَقُوْلُ اِنَّ جَمِیْعَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنَ الْاٰلِهَةِ وَالْاَصْنَامِ لَوِ اجْتَمَعَتْ لَمْ یَخْلُقُوْا ذُبَابًا فِیْ صِغْرِهٖ وَقِلَّتِهٖ۔

بیشک تم اللہ کے سوا جن معبودوں اور بتوں کی عبادت کرتے ہو، وہ سب جمع بھی ہو جائیں تو ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے جو کہ ایک چھوٹی سی مخلوق ہے۔ (جامع البیان)

3۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۸ھ) فرماتے ہیں،

وَالْمُرَادُ الْاَوْثَانُ الَّذِیْنَ عَبَدُوْهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَکَانَتْ حَوْلَ الْکَعْبَةِ وَهِیَ ثَلٰثُ مِائَةٍ وَسِتُّوْنَ صَنَمًا۔

اس سے مراد وہ مجسمے ہیں جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے اور وہ کعبہ کے گرد رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بت تھے۔ (تفسیر قرطبی)

4۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں،

اِعْلَمْ اَنَّهٗ سُبْحَانَهٗ لَمَّا بَیَّنَ مِنْ قَبْلُ اَنَّهُمْ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا حُجَّةَ لَهُمْ فِیْهِ وَلَا عِلْمَ. ذَکَرَ فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ مَا یَدُلُّ عَلٰی اِبْطَالِ قَوْلِهِمْ۔

جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اس بات کا ذکر کیا کہ کافر اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں، اُس پر اُن کے پاس کوئی سند یا علم نہیں ہے پھر یہ آیت نازل فرمائی جو اُن کے اس

عقیدے کے باطل ہونے پر واضح دلیل ہے۔

پھر آگے مزید لکھتے ہیں، طالب سے مراد بت ہے اور مطلوب سے مراد مکھی، اور دوسرا قول یہ ہے کہ طالب سے مراد پجاری اور مطلوب سے مراد بت ہے۔
(تفسیر کبیر)

5۔ امام ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں،

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ یَعْنِی الْاَصْنَامِ ۔

یعنی یہ کافر جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ بت ہیں۔ (تفسیر معالم التنزیل)

6۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں،

یَقُوْلُ تَعَالٰی مُنَبِّهًا عَلٰی حَقَارَةِ الْاَصْنَامِ وَسَخَافَةِ عُقُوْلِ عَابِدِیْهَا ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ﴾ اَیْ لَمَّا یَعْبُدُهُ الْجَاهِلُوْنَ بِاللّٰهِ الْمُشْرِکِیْنَ بِهٖ ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ اَیْ اَنْصِتُوْا وَتَفَهَّمُوْا...... اَیْ لَوِ اجْتَمَعَ جَمِیْعُ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَنْدَادِ......

اللہ تعالیٰ بتوں کی حقارت اور اُنہیں پوجنے والوں کی کم عقلی پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے، اے لوگو! یہ جاہل جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور جنہیں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، ان کی مثال بیان کی جا رہی ہے، اسے غور سے سنو اور سمجھ لو۔ یہ کفار و مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں وہ اس قدر عاجز و بے بس ہیں کہ سب مل کر بھی ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے۔ (تفسیر القرآن)

7۔ علامہ علی بن محمد خازن شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۵ھ) فرماتے ہیں،

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ یَعْنِی الْاَصْنَامِ ۔

بیشک تم اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو یعنی بتوں کی۔ (تفسیر خازن)

8۔ علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۳ھ) رقمطراز ہیں،

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾

یَعْنِی الْاَصْنَامَ تَعْبُدُوْنَهَا مُتَجَاوِزِیْنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ۔

یعنی وہ بت تم جن کی عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ کر۔
(تفسیر روح البیان)

9۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں،

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ﴾ تَعْبُدُوْنَ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اَیْ غَیْرِهٖ وَهُمُ الْاَصْنَامُ ......

بیشک اللہ کے سوا تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو...... (تفسیر جلالین)

10۔ علامہ عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں،

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بتوں کے لیے کسی بھی چیز کو پیدا کرنا محال و ناممکن ہے اور مکھی کی تخصیص اس کے حقیر اور گندا ہونے کی بناء پر کی گئی ہے۔............

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، مشرکین اپنے بتوں پر زعفران مل دیتے اور ان کے سروں پر شہد لگا دیتے۔ جب مکھیاں شہد وغیرہ چوسنے لگتیں تو بت انہیں روکنے یا پکڑنے سے عاجز رہتے۔...... طالب یعنی بت زیادہ کمزور ہیں مطلوب یعنی مکھی سے کیونکہ مکھی جاندار ہے اور بت بے جان پتھر ہیں، اور مکھی غالب ہے اور بت مغلوب ہیں۔ (تفسیر مدارک التنزیل)

11۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں،

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَهَا اَیُّهَا الْکُفَّارُ اٰلِهَةً کَائِنَةً ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ وَهِیَ الْاَصْنَامُ۔

اے کافرو! جن کو خدا سمجھ کر تم پوجتے ہو اور اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو، وہ بت ہیں۔ وہ تو ایک مکھی پیدا کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔ (تفسیر مظہری)

12۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں،

وَاِنْ کَانَتْ نَازِلَةً فِی الْاَصْنَامِ۔ یہ آیت بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

ابن مردویہ، ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت

کیا ہے کہ طالب سے مراد بت اور مطلوب سے مراد مکھی ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

وہ بت ہیں جو کمزور ہیں کہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے جبکہ اللہ کے ایک نبی کی شان یہ ہے کہ وہ مٹی سے پرندے کی مورتی بنا کر اس میں پھونک مارتے ہیں تو وہ زندہ پرندہ بن کر اُڑ جاتی ہے۔ ﴿اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (آلِ عمران: ۴۹)

وہ بت ہیں جو کمزور ہیں جبکہ اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ پلک جھپکنے سے پہلے نہایت وزنی تخت سینکڑوں میل سے لے آتے ہیں۔ (النمل: ۴۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں زلزلہ آتا ہے تو وہ زمین پر کوڑا مار کر کہتے ہیں ساکن ہو جا۔ کیا میں نے تجھ پر عدل نہیں کیا؟ فوراً زمین ساکن ہو جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں دریائے نیل خشک ہو گیا۔ اہلِ مصر نے کہا، ایک نوجوان لڑکی کو دریا کی بھینٹ چڑھایا جائے تو دریا جاری ہو گا۔ آپ نے ایک خط لکھا، ''اللہ کے بندے عمر کی طرف سے دریائے نیل کے نام! اگر تو اپنی مرضی سے بہتا ہے تو جاری مت ہو۔ اور اگر اللہ تجھ کو جاری فرماتا ہے تو میں اللہ واحد قہار سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری فرما دے''۔

یہ خط دریا میں ڈالا گیا تو دریا بہنا شروع ہو گیا اور اس کا پانی معمول سے سولہ ہاتھ بلند ہو گیا اور آج تک خشک نہ ہوا۔ (تاریخ الخلفاء، حجۃ اللہ علی العالمین)

حضرت عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ نے افریقہ کے ایک جنگل میں مسلمانوں کا ایک شہر آباد کرنے کا ارادہ کیا تو اٹھارہ صحابہ کے ہمراہ جنگل میں جا کر اعلان فرمایا، اے درندو اور موذی جانورو! ہم رسول کریم ﷺ کے صحابہ ہیں اور اس جگہ ایک شہر آباد کرنا چاہتے ہیں اس لیے تم سب اس جنگل سے نکل جاؤ۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا جنگل خالی ہو گیا اور صحابہ نے اس جگہ ۵۰ ھ میں ''قیروان'' شہر آباد کیا۔ (کراماتِ صحابہ)

حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے بحرین پہنچنے کے لیے اپنے لشکر سمیت دریا یوں عبور کیا کہ ان کی سواریوں کے تلوے بھی پانی سے گیلے نہ ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کے لشکر نے دریائے دجلہ گھوڑوں پر عبور کر کے مدائن فتح کیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم)

؎ یہ شان ہے اُن کے غلاموں کی، سردار کا عالم کیا ہوگا!!!

☆......7......☆

﴿وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ؕ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ﴾

''اور اُس کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو، وہ دانہ خرما (کھجور کی گٹھلی) کے چھلکے تک کے مالک نہیں۔ تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں، اور بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری حاجت روا نہ کر سکیں''۔ (فاطر: ۱۳، ۱۴، کنز الایمان)

تمام مفسرین کرام کا اتفاق ہے کہ یہ آیات بتوں کے متعلق نازل ہوئیں جو کسی حقیر چیز کے بھی مالک نہیں۔ بت نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو کوئی نفع دے سکتے ہیں۔

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ﴾ تَعْبُدُوْنَ ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴿مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ﴾ لا یَقْدِرُوْنَ اَنْ یَّفْعَلُوْا مِنْ ذَالِکَ قَدْرَ قِطْمِیْرٍ وَهُوَ الشَّیْءُ الَّذِیْ یَتَعَلَّقُ بِهِ النَّوَاةُ مَعَ الْقُمْعِ ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ﴾ یَعْنِی الْاٰلِهَةَ ﴿لا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ﴾ لِاَنَّهُمْ صُمٌّ بُكْمٌ لا یَسْمَعُوْنَ.

اور وہ جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں یعنی اُس (بے قدر و قیمت) چھلکے کے برابر بھی کوئی کام نہیں کر سکتے جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک سا پردہ ہوتا ہے۔ اور اگر تم ان کو بلاؤ یعنی معبودوں کو، تو وہ

تمہاری نہیں سن سکتے کیونکہ (بت تو) گونگے بہرے ہوتے ہیں، سنتے نہیں۔

2۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں،

يَقُوْلُ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ وَالَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ اَيُّهَاالنَّاسُ مِنْ دُوْنِ رَبِّكُمْ.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اور وہ جن کی اے لوگو! تم عبادت کرتے ہو اپنے رب کے سوا۔ (تفسیر ابن جریر)

3۔ امام ابومحمد الحسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ يَعْنِى الْاَصْنَامَ ﴿مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾...... ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ﴾ يَعْنِى اِنْ تَدْعُو الْاَصْنَامَ۔

یعنی جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو، وہ بت ہیں۔ وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے تک کے مالک نہیں......اگر تم انہیں پکارو یعنی اگر تم بتوں کو پکارو۔ (تفسیر معالم التنزیل)

4۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں،

وَهٰذَا الْكَلَامُ اِبْطَالاً لِمَا كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ فِىْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ عِزَّةً مِنْ حَيْثُ الْقُرْبِ مِنْهَا وَالنَّظْرُ اِلَيْهَا وَعَرْضِ الْحَوَائِجِ اِلَيْهَا وَاللّٰهُ لَا يُرٰى۔

یہ کلام کافروں کے اس قول کو باطل کرتا ہے جو وہ کہتے تھے کہ بتوں کی عبادت میں عزت ہے اس اعتبار سے کہ ان کے قریب ہوسکتے ہیں، ان کی طرف دیکھ سکتے ہیں، ان پر حاجات پیش کرسکتے ہیں جبکہ اللہ دکھائی نہیں دیتا۔ (تفسیر کبیر)

5۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۸ھ) فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ يَعْنِى الْاَصْنَامَ ﴿مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾ اَىْ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلَيْهِ وَلَا عَلٰى خَلْقِهٖ .... ﴿لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَ كُمْ﴾ لِاَنَّهَا جَمَادَاتٌ لَا تُبْصِرُ وَلَا تَسْمَعُ۔

جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو یعنی بت، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے تک کے مالک نہیں یعنی نہ اس پر قدرت رکھتے ہیں نہ اس کی تخلیق پر۔...... وہ تمہاری پکار کو نہیں

سنیں گے کیونکہ وہ پتھر ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

6۔ علامہ علی بن محمد خازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۵ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ يَعْنِى الْاَصْنَامَ ...... ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ﴾ يَعْنِى الْاَصْنَامَ ﴿لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَ كُمْ﴾ يَعْنِى اَنَّهُمْ جَمَادٌ۔

یعنی اللہ کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو یعنی بتوں کو...... اگر تم انہیں پکارو یعنی اگر تم بتوں کو پکارو۔ اور اگر تم ان بتوں کو بلاؤ تو یہ تمہاری کچھ مدد نہیں کرسکتے کیونکہ یہ پتھر ہیں۔ (تفسیر لباب التاویل)

7۔ علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اَىْ مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَنْدَادِ الَّتِىْ هِىَ عَلٰى صُوْرَةِ مَنْ تَزْعَمُوْنَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾ ...... ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَ كُمْ﴾ يَعْنِى الْاٰلِهَةَ الَّتِىْ تَدْعُوْنَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا تَسْمَعُ دُعَاءَ كُمْ لِاَنَّهَا جَمَادٌ لَا اَرْوَاحَ فِيْهَا۔

جنہیں تم پوجتے ہو اللہ کے سوا یعنی وہ بت اور مجسمے جن کی تم اپنے گمان کے مطابق مقرب فرشتوں کی صورت میں عبادت کرتے ہو۔ وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اور اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے کیونکہ وہ پتھر ہیں، ان میں روحیں نہیں ہیں۔ (تفسیر القرآن)

8۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) رقمطراز ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ﴾ تَعْبُدُوْنَ ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اَىْ غَيْرِهٖ وَهُمُ الْاَصْنَامُ۔

اور جن کو تم پکارتے ہو یعنی پوجتے ہو، اُس کے سوا یعنی اللہ کو چھوڑ کر، اور وہ بت ہیں۔ (تفسیر جلالین)

9۔ علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) رقمطراز ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اَىْ حَالَ كَوْنِكُمْ مُتَجَاوِزِيْنَ اللّٰهَ وَعِبَادَتَهٗ ﴿اِنْ

﴿تَدْعُوْهُمْ﴾ اَیَ الْاَصْنَامَ ......لِاَنَّهُمْ جَمَادٌ.

یعنی اللہ کی عبادت چھوڑ کر اور اُس سے منہ موڑ کر تم جن کو پوجتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اور اگر تم ان کو پکارو یعنی بتوں کو تو یہ نہیں سنتے کیونکہ یہ پتھر ہیں اور پتھر میں سننے کی طاقت نہیں ہوتی۔ (تفسیر روح البیان)

10۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) رقمطراز ہیں،

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ﴾ اَی الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَهَا مِنَ الْاَصْنَامِ وَغَيْرِهَا ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ تَعَالٰی ﴿مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾ ...... قِطْمِيْرٌ هُوَ لِفَافَةٌ رَقِيْقَةٌ عَلَى النَّوَاةِ فَمَنْ لَّمْ يَمْلِكْ كَيْفَ يَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ﴾ لِقَضَاءِ حَاجَتِكُمْ ﴿لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَ كُمْ﴾ لِاَنَّهَا جَمَادَاتٌ۔ (تفسیر مظہری)

یعنی اللہ کے سوا جن بتوں وغیرہ کی تم عبادت کرتے ہو وہ تو قطمیر کے بھی مالک نہیں۔ قطمیر اس باریک جھلی کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی پر ہوتی ہے۔ تو جو اتنی حقیر اور معمولی چیز کے خالق و مالک نہیں وہ عبادت کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں؟ اگر تم انہیں اپنی حاجت میں پکارو تو یہ تمہاری آواز نہیں سن سکتے کیونکہ یہ بے جان پتھر ہیں۔

یہ تو بتوں کا حال تھا جو کسی چیز کے مالک نہیں اور کسی کی حاجت پوری نہیں کر سکتے، اب انبیاء کی شان ملاحظہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے مٹی کا پرندہ بنا کر اُڑا دیتے ہیں، اندھوں کو آنکھیں دیتے ہیں، مردوں کو زندہ کرتے ہیں، ان کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا ہے، جنات پر حکومت کرتے ہیں، ہوا اُن کے حکم سے چلتی ہے۔

اور سیدُ الانبیاء ﷺ کی شان یہ ہے کہ انگلی کے اشارے سے چاند کے ٹکڑے کرتے ہیں، ڈوبا ہوا سورج پلٹاتے ہیں، حکم دیتے ہیں تو درخت چلنے لگتے ہیں، لعابِ دہن لگا کر آنکھ روشن کرتے ہیں، انگلیوں سے پانی کے چشمے بہاتے ہیں، شجر و حجر انہیں دیکھ کر سلام کرتے ہیں، ہاتھ بڑھاتے ہیں تو جنت میں انگور کا خوشہ پکڑ لیتے ہیں اور چاہیں تو توڑ بھی سکتے ہیں، جسے چاہتے ہیں جنت عطا فرماتے ہیں، زمین کے خزانوں کی

چابیاں ان کے دستِ قدرت میں ہیں، کسی سوالی کو خالی نہیں لوٹاتے، مدینہ میں کھڑے ہو کر حوضِ کوثر دیکھتے ہیں، ہمارے درود و سلام اب بھی سنتے ہیں، شریعت کے بھی مالک ہیں جسے چاہتے ہیں کسی حکم سے مستثنیٰ فرما دیتے ہیں، جو چاہتے ہیں حلال و حرام فرماتے ہیں۔ (قرآن اور صحاح ستہ)

وہ بت ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں اور آقا و مولیٰ ﷺ کے صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان یہ ہے کہ ان کے حکم سے زمین کا زلزلہ رک جاتا ہے اور اُن کے خط سے خشک دریا جاری ہو جاتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اندھیری رات میں بارگاہِ نبوی سے اپنے گھروں کے لیے نکلتے ہیں تو ان کی لاٹھیاں روشن ہو جاتی ہیں۔ (بخاری)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ایک شیر سے کہتے ہیں، ''میں رسولُ اللہ ﷺ کا غلام ہوں'' تو وہ شیر فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک شیر کو راستے سے چلے جانے کا حکم دیتے ہیں تو وہ آپ کی اطاعت کرتا ہے۔ حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اپنی سواریوں پر دریائے دجلہ عبور کر لیتے ہیں اور ان کے جانوروں کے پاؤں بھی نہیں ڈوبتے۔
(حجۃ اللہ علی العالمین)

دورِ فاروقی میں میدانِ حرہ کی طرف سے ایک آگ نمودار ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے اس آگ کو اپنے ہاتھوں سے دھکیلنا شروع کیا یہانتک کہ اس آگ کو ایک گھاٹی میں داخل کر دیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم)

سیدنا عبدالقادر جیلانی المعروف غوث اعظم رحمہ اللہ کی کرامات حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ آپ نے کھائی ہوئی مرغی کی ہڈیوں سے فرمایا، ''اللہ کے حکم سے زندہ ہو جا''، وہ مرغی زندہ ہو گئی۔ بغیر ظاہری اسباب کے سائل کو سیب عطا کیا۔ ایک اندھے مفلوج

مریض کو قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ فرما کر شِفا دیدی۔(بہجۃ الاسرار)

بت، بت ہیں جبکہ اولیاء ﴿لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا﴾ کا مصداق ہیں۔

﴿☆......8......☆﴾

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَo وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوْا لَھُمْ اَعْدَآءً وَّکَانُوْا بِعِبَادَتِھِمْ کٰفِرِیْنَ﴾ (الاحقاف:۵،۶)

''اور اُس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کے سوا ایسوں کو پوجے جو قیامت تک اُس کی نہ سنیں، اور انہیں اُس کی پوجا کی خبر تک نہیں۔ اور جب لوگوں کا حشر ہوگا، وہ ان (پجاریوں) کے دشمن ہونگے اور ان سے منکر ہو جائیں گے''۔(کنزالایمان)

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

﴿وَمَنْ اَضَلُّ﴾ عَنِ الْحَقِّ وَالْھُدٰی ﴿مِمَّنْ یَّدْعُوْا﴾ یَعْبُدُ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ وَھُوَ الْکَافِرُ ﴿مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ﴾ مَنْ لَّا یُجِیْبُہٗ اِنْ دَعَاہُ ﴿اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ﴾ ﴿وَھُمْ﴾ یَعْنِی الْاَصْنَامَ ﴿عَنْ دُعَآئِھِمْ﴾ عَنْ دُعَاءِ مَنْ یَّعْبُدُھُمْ ﴿غٰفِلُوْنَ﴾ جَاھِلُوْنَ ...... ﴿کَانُوْا﴾ یَعْنِی الْاَصْنَامَ۔

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے حق اور ہدایت سے، جو عبادت کرے اللہ کے سوا بتوں کی، اور وہ کافر ہے، بت قیامت تک اس کی کچھ بھی نہیں سن سکتے اور وہ اپنے پوجنے والوں کی دعا سے بے خبر ہیں۔(تفسیر ابن عباس)

2۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں،

یَقُوْلُ تَعَالٰی ذِکْرُہٗ وَاَیُّ عَبْدٍ اَضَلُّ مِنْ عَبْدٍ یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اٰلِھَۃً لَا یَسْتَجِیْبُ لَہٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ. یَقُوْلُ لَا یُجِیْبُ دُعَاءَ ہٗ اَبَدًا لِاَنَّھَا حَجَرٌ اَوْ خَشَبٌ اَوْ نَحْوَ ذٰلِکَ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اس بندے سے زیادہ کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا دوسرے

معبودوں کو پکارتا ہے جو کہ قیامت تک اس کی کچھ نہیں سن سکتے یعنی اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے اس لیے کہ وہ پتھر اور لکڑی وغیرہ کے بے جان مجسمے ہیں۔(ابن جریر)

3۔ امام ابومحمد الحسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں،

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ﴾ یَعْنِی الْاَصْنَامَ لَا تُجِیْبُ عَابِدِیْھَا اِلٰی شَیءٍ یَسْأَلُوْنَھَا ﴿اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ﴾ یَعْنِی اَبَدًا مَا دَامَتِ الدُّنْیَا ﴿وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْن﴾ لِاَنَّھَا جَمَادٌ لَا تَسْمَعُ وَلَا تَفْھَمُ۔

اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا ایسے بتوں کو پوجتا ہے جو قیامت تک اپنے پجاریوں کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتے اور یہ اپنے پجاریوں کی دعا سے بے خبر ہیں کیونکہ یہ پتھر ہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔(معالم التنزیل)

4۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں،

﴿مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ الاَصْنَامَ فَیَتَّخِذُھَا اٰلِھَۃً وَیَعْبُدُھَا وَھِیَ اِذَا دُعِیَتْ لَا تَسْمَعُ وَلَا تَصِحُّ مِنْھَا الْاِجَابَۃُ۔

جو عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا بتوں کی، اور انہوں نے بتوں کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے جبکہ بت نہ تو سننے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی جواب دینے کی۔(تفسیر کبیر)

5۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۸ھ) فرماتے ہیں،

﴿وَمَنْ اَضَلُّ﴾ اَیْ لَا اَحَدَ اَضَلُّ وَاَجْھَلُ ﴿مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ﴾ وَھِیَ الْاَوْثَانُ ﴿وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ یَعْنِی لَا یَسْمَعُوْنَ وَلَا یَفْھَمُوْنَ۔

اور کون زیادہ گمراہ ہے یعنی اس سے زیادہ گمراہ اور جاہل کوئی نہیں جو اللہ کے سوا بتوں کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار نہ سنیں کیونکہ وہ تو بے جان مجسمے ہیں، ان کی ہر پکار سے بے خبر ہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔(تفسیر قرطبی)

6۔ علامہ علی بن محمد خازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۵ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں،

﴿وَمَنْ اَضَلُّ ......﴾ يَعْنِى الْاَصْنَامَ لَا تُجِيْبُ عَابِدِيْهَا........

اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کے سوا بتوں کی عبادت کرے جو کہ اپنے پجاریوں کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتے کیونکہ یہ بے جان پتھر ہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔(تفسیر خازن)

7۔علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں،

اَىْ لَا اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...... اَصْنَامًا وَيَطْلُبُ مِنْهَا مَالَا تَسْتَطِيْعُهُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهِىَ غَافِلَةٌ عَمَّا يَقُوْلُ لَا تَسْمَعُ وَلَا تُبْصِرُ وَلَا تَبْطِشُ لِاَنَّهَا جَمَادٌ حِجَارَةٌ صُمٌّ۔(تفسیر ابن کثیر)

یعنی اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پکارتا ہے اور ان سے وہ مانگتا ہے جسکی وہ قیامت تک استطاعت نہیں رکھتے، اور وہ غافل ہیں اپنے پجاریوں کی پکار سے، کیونکہ نہ وہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ پکڑنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

8۔امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) رقمطراز ہیں،

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا﴾ يَعْبُدُ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اَىْ غَيْرِهٖ ﴿مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ وَهُمُ الْاَصْنَامُ۔

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا بتوں کی عبادت کرے جو قیامت تک اس کی نہ سنیں، اور وہ بت ہیں۔(تفسیر جلالین)

9۔علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) رقمطراز ہیں،

اَىِ الْاَصْنَامُ عَنْ دُعَاءِ الدَّاعِيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَعِبَادَتِهِمْ۔

یعنی یہ بت مشرکوں کی پکار اور ان کی عبادت سے بے خبر ہیں۔(روح البیان)

10۔علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) رقمطراز ہیں،

﴿وَمَنْ اَضَلُّ﴾ يَعْنِىْ لَا اَحَدَ اَضَلُّ ﴿مِمَّنْ يَّدْعُوْا﴾ اَىْ يَعْبُدُ وَيَطْلُبُ حَاجَاتِهٖ۔

یعنی اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتا ہے اور ان سے حاجات طلب کرتا ہے جو قیامت تک ان کی پکار نہیں سن سکتے۔(مظہری)

استاذی ومرشدی علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ سماعِ موتیٰ کے متعلق فرماتے ہیں، دین اسلام میں اہل قبور کی زیارت اور انہیں سلام کرنا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ سلام کے الفاظ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ'' (اے قبر والو تم پر سلام ہو) اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ مخاطبین یعنی قبر والے اس سلام کو سنتے، سمجھتے اور جواب دیتے ہیں۔ اگر مردے نہ سنتے تو انہیں صیغۂ ندا کے ساتھ سلام کرنا بے دین لوگوں کے لیے اعتراضات کا موجب بن جاتا۔

غزوہ بدر میں جب کفار کو شکست ہوئی تو انکی لاشوں کو ایک کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔ آقا و مولیٰ ﷺ کنوئیں کے پاس تشریف لائے اور کافروں کا نام لے کر فرمایا، کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پالیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی،

یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ مُردوں سے کلام فرما رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا،

مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَّا يُجِيْبُوْنَ۔(بخاری کتاب الجنائز)

''تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو مگر یہ مجھے جواب نہیں دے سکتے''۔

استاذی ومرشدی حضرت شاہ صاحب زید مجدہٗ ان آیات کے تحت فرماتے ہیں،

﴿فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ o وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (الروم:۵۲،۵۳)

''پس آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سناتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں اور نہ آپ اندھوں کو انکی گمراہی سے ہدایت پر لا سکتے ہیں۔ آپ تو اسی کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے، پس وہ مسلمان ہیں''۔

مذکورہ آیات پر ذرا سا غور وفکر کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان سے سماعِ موتیٰ کی نفی نہیں ہوتی بلکہ کافروں کے حق بات سننے کی نفی ہوتی ہے۔ ان آیات میں مردوں کے مقابل زندوں کا ذکر کیا جانا چاہیے تھا یعنی یہ کہ ''آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے البتہ زندوں کو سنا سکتے ہیں'' جبکہ رب تعالیٰ نے مردوں کے مقابل مومنوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ''آپ تو اسی کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے''۔ ثابت ہوا کہ آپ ان کو نہیں سناتے جو ایمان نہیں لاتے یعنی جو کافر ہیں۔

اسی طرح پہلی آیت پر غور فرمایئے، ارشاد ہوا، ''آپ نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جو پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں''۔ کیا بہرے اگر پیٹھ نہ پھیریں تو کوئی انہیں اپنی پکار سنا سکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں حقیقی بہرے نہیں بلکہ حق نہ سننے والے کافر مراد ہیں۔ یونہی یہاں اندھوں سے مراد حق نہ دیکھنے والے کافر ہیں۔

انبیاء اور اولیاء کی شان تو بہت اعلیٰ ہے، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ قبرستان جائیں تو قبر والوں کو سلام کریں کیونکہ وہ سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

انور شاہ کشمیری صاحب اپنی شرح بخاری میں لکھتے ہیں،

''میں کہتا ہوں کہ سماعِ موتیٰ یعنی مردوں کے سننے کے ثبوت کے لیے اتنی زیادہ احادیث ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ ''جب کوئی شخص مردے کو سلام کرتا ہے تو وہ اسکا جواب دیتا ہے اور اگر وہ اسے دنیا میں پہچانتا تھا تو اب بھی وہ اسے پہچان لیتا ہے''۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷)

﴿☆......9......☆﴾

﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ (الجن:۱۸)

''اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو''۔ (کنز الایمان)

بعض لوگ اس آیت کو دلیل بنا کر مساجد میں رسول کریم ﷺ کا ذکر کرنے اور نعتیں

پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور اسے شرک بتاتے ہیں جو کہ درست نہیں۔

اکابر مفسرین نے اسکی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت مشرکین کے رَد میں نازل ہوئی جو مسجد حرام میں بتوں کی پوجا کرتے تھے۔

کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مسجد نبوی میں خود اپنے فضائل بیان فرمائے۔ آپ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں منبر پر کھڑے ہو کر اپنی نعت پڑھنے کا حکم دیا اور پھر ان کے لیے دعا بھی فرمائی۔ (بخاری)

حضرت عباس، عبداللہ بن رواحہ، کعب بن زہیر، سواد بن قارب اور دیگر کئی صحابہ مسجد نبوی میں بارگاہِ نبوی میں نعتیں پیش کرتے اور حضور ﷺ پسند فرماتے۔ صحابہ کرام بھی مساجد میں نبی کریم ﷺ کے فضائل بیان فرماتے تھے۔

بعض لوگ مسجد میں ''نعرۂ رسالت، یارسول اللہ'' پکارنے کو شرک کہتے ہیں حالانکہ یہ ہرگز شرک نہیں۔ اس پر پہلے تفصیلی گفتگو ہو چکی۔ ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے جس سے صحابہ کرام کا مذکورہ نعرہ لگانا ثابت ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ تمام مکاتبِ فکر کے لوگ مواجہہ اقدس میں ''یارسول اللہ'' کہنے کے قائل ہیں جبکہ شرک ہر جگہ شرک ہوتا ہے خواہ مسجد میں ہو یا مسجد کے باہر، مدینہ منورہ میں ہو یا پاکستان میں۔

صحیح مسلم میں ہے، جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ پہنچے:

فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوْتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُوْنَ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

تو تمام مرد اور عورتیں اپنے اپنے مکانوں پر چڑھ گئے اور لڑکے اور غلام راستوں میں نعرے لگا رہے تھے، یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔ (باب الهجرة)

مساجد میں درود وسلام پڑھنے پر اعتراض اس لیے ممکن نہیں کہ ہر نمازی جب اپنی نماز میں حبیبِ کبریا ﷺ پر ﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ کہہ کر اور درودِ ابراہیمی

پڑھ کر درود وسلام بھیجتا ہے اور یہ تمام امت کا معمول ہے تو پھر نماز کے علاوہ درود وسلام پڑھنا کسی صورت اختلاف کا باعث ہو ہی نہیں سکتا۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ کا ذکر دراصل رب تعالیٰ ہی کا ذکر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا o رَّسُوْلًا﴾

''بیشک اللہ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر، جو رسول ہے''۔ (الطلاق:١٠)

ذِكْرًا هُوَ النَّبِيُّ ﷺ: ذکر سے مراد نبی ﷺ ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

صحابہ کرام تو نماز میں بھی آقا ومولیٰ ﷺ کی تعظیم کا خیال رکھتے اور دورانِ نماز نورِ مجسم ﷺ کے دیدار کا موقع ملتا تو جی بھر کے دیدار کرتے۔

ایک طویل حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک جھگڑے میں صلح کرانے کے لیے قُبا تشریف لے گئے۔ وہاں دیر ہوگئی تو صحابہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نماز پڑھانے کے لیے کہا۔ انہوں نے نماز پڑھانا شروع کی تو سرکارِ دوعالم ﷺ تشریف لے آئے اور نماز میں شامل ہوگئے۔ لوگوں نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو متوجہ کرنا چاہا۔ جب وہ متوجہ ہوئے تو حضور پہلی صف میں پہنچ چکے تھے۔ حضور ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشارے سے حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں مگر وہ اُلٹے پاؤں پیچھے ہو کر صف میں آ گئے اور حضور ﷺ نے آگے ہو کر نماز پڑھائی۔

نماز کے بعد آقا ومولیٰ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اے ابوبکر! تمہیں کس چیز نے نماز پڑھانے سے روکا جبکہ میں نے تمہیں نماز پڑھانے کا اشارہ بھی کیا تھا؟ انہوں نے عرض کی،

مَا كَانَ يَنْبَغِىْ لِابْنِ اَبِىْ قُحَافَةَ اَنْ يُّصَلِّىَ بَيْنَ يَدَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

ابوقحافہ کے بیٹے کو مناسب نہ تھا کہ وہ رسولُ اللہ ﷺ کے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھائے۔ (بخاری ابواب التہجد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیر کے دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے حجرۂ مبارکہ کا پردہ اُٹھایا اور ہمیں دیکھنے لگے۔ ہم نے دیکھا،

﴿كَاَنَّ وَجْهَهٗ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَهَمَمْنَا اَنْ نَّفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ﴾ (بخاری کتاب الاذان)

گویا حضور ﷺ کا چہرۂ انور مصحف کا ایک ورق تھا۔ پھر حضور خوشی سے مسکرائے۔ دیدارِ نبی ﷺ کے سبب خوشی سے ہم نے فتنہ میں پڑ جانے (یعنی نماز توڑنے) کا ارادہ کیا۔ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہوئے اور گمان کیا کہ حضور نماز کے لیے باہر تشریف لائیں گے۔ تو آقا ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں، نماز کی حالت میں صحابہ کرام حضور ﷺ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم اور دیدار، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رکاوٹ نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ ایمان کی حلاوت کا باعث تھا۔ پس مذکورہ آیت میں مساجد میں غیر اللہ کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے، ذکرِ نبی ﷺ سے نہیں۔

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ﴾ بُنِيَتْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ﴿فَلَا تَدْعُوْا﴾ فَلَا تَعْبُدُوْا۔

اور بے شک مسجدیں اللہ کے ذکر کے لیے بنائی گئی ہیں لہٰذا ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ (تفسیر ابن عباس)

2۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں،

﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا﴾ اَيُّهَا النَّاسُ ﴿مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ فِيْهَا شَيْئًا وَّلٰكِنْ اَفْرِدُوْا لَهُ التَّوْحِيْدَ وَاَخْلِصُوْا لَهُ الْعِبَادَةَ۔ (تفسیر ابن جریر)

اے لوگو! بیشک مسجدیں اللہ کے لیے ہیں، ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو، اور اس کے لیے خالص توحید کا عقیدہ رکھو اور اسی کی عبادت کرو۔

3۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۸ھ) فرماتے ہیں،

كَانَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى اِذَا دَخَلُوْا كَنَائِسِهِمْ وَبِيَعِهِمْ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ فَاَمَرَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ وَالْمُؤْمِنِيْنَ اَنْ يُخْلِصُوا اللّٰهَ الدَّعْوَةَ اِذَا دَخَلُوا الْمَسَاجِدَ كُلَّهَا.

یہودی اور عیسائی جب اپنی عبادت گاہوں میں جاتے تو اللہ کے ساتھ شرک کرتے (یہود عُزیر علیہ السلام کو اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو معبود جانتے) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور مومنوں کو حکم دیا کہ خالص اللہ کی عبادت کریں جب مساجد میں جائیں۔ (قرطبی)

تفسیر معالم التنزیل، تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر خازن، تفسیر مدارک التنزیل اور تفسیر مظہری میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے کہ جب یہود ونصاریٰ عبادت گاہوں میں داخل ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوں تو اپنی دعاؤں کو اللہ کے لیے خالص کریں۔

10۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں،

﴿فَلَا تَدْعُوْا﴾ اَیْ فَلَا تَعْبُدُوْا فِیْهَا ﴿مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ غَيْرُهٗ سُبْحَانَهٗ : وَقَالَ الْحَسَنُ الْمُرَاد كُلِّ مَوْضِعٍ سُجِدَ فِيْهِ مِنَ الْاَرْضِ۔ (تفسیر روح المعانی)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مساجد سے مراد تمام جگہیں ہیں کیونکہ اس امت کے لیے تمام زمین کو مسجد بنادیا گیا ہے۔ اور یہ بات صحیح حدیث میں موجود ہے،

جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطُهُوْرًا۔ (بخاری، مسلم)

''میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک بنادی گئی''۔

پس معنیٰ یہ ہے کہ کسی جگہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

﴿☆......10......☆﴾

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا○ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ (الجن: ۲۰،۲۱)

''تم فرماؤ! میں تو اپنے رب ہی کی بندگی کرتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا۔ تم فرماؤ! میں تمہارے کسی بُرے بھلے کا مالک نہیں''۔ (کنزالایمان)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ سے فرمایا، اے حبیب! تم فرماؤ! میں تو اپنے رب ہی کی بندگی کرتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا اس لیے تمہارے کہنے پر میں دعوتِ حق نہیں چھوڑ سکتا۔ نیز میں اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر نہ تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ تمہیں ہدایت دے سکتا ہوں۔

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا﴾ اَیْ اَعْبُدُ۔

تم فرماؤ! میں تو اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں۔ (تفسیر ابن عباس)

2۔ حضرت مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کفارِ مکہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا، تم نے بڑا کام کردیا ہے کہ سب لوگوں کو اپنا دشمن بنالیا ہے، اپنی اِس دعوت سے باز آؤ۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر معالم التنزیل، تفسیر کبیر، تفسیر مظہری)

3۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ﴾ اَیْ اِنَّمَا اَعْبُدُ رَبِّیْ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَسْتَجِيْرُ بِهٖ وَاَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ۔ (تفسیر ابن کثیر)

تم فرماؤ! میں تو اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں اُسی کی پناہ مانگتا ہوں اور اُسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔

4۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا﴾ اَعْبُدُ ﴿رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ﴾ فِی الْعِبَادَةِ ﴿اَحَدًا﴾۔

تم فرماؤ! میں تو اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں اور عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا۔ (تفسیر روح المعانی)

بعض لوگ آخر الذکر آیت کو بنیاد بنا کر رسولِ معظم ﷺ کے لیے نفع پہنچانے کا عقیدہ رکھنا شرک ٹھہراتے ہیں جو کہ قرآن وحدیث کے صریحاً خلاف ہے۔اصل بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے اُن میں قدرت کا کمال دیکھا کہ وہ مٹی کی مورتی میں پھونک مار کر زندہ پرندہ بنا دیتے ہیں، پیدائشی اندھوں کو آنکھیں اور کوڑھ کے مریضوں کو شفا دیتے ہیں اور مُردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ نیز اُن میں علم کا کمال دیکھا کہ وہ بتا دیتے ہیں، گھر سے کیا کھا کر آئے ہو اور کیا رکھ کر آئے ہو۔علم اور قدرت کے یہ کمالات دیکھ کر اُن کی امت نے انہیں خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

ہمارے آقا ومولیٰ، امام الانبیاء، سید المرسلین ﷺ کا مرتبہ ومقام بہت بلند ہے لہٰذا آپ کے علم غیب کی وسعت دیکھ کر اور آپ کی قدرت وتصرف دیکھ کر کوئی آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہہ دے، اس لیے رب تعالیٰ نے آپ سے ذاتی علم کی بھی نفی کرائی اور ذاتی قدرت واختیار کی بھی نفی کرائی۔ یہ دو آیات ملاحظہ فرمائیں،

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾

’’تم فرما دو! میں تم سے نہیں کہتا، میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں خود سے غیب جان لیتا ہوں‘‘۔(الانعام:۵۰)

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ﴾ (الاعراف:۱۸۸)

’’تم فرماؤ! میں اپنی جان کے بھلے بُرے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے‘‘۔

اگر غور فرمائیں تو اس آیت کے الفاظ ہی سے نبی کریم ﷺ کا نفع نقصان پر اختیار بھی ثابت ہو رہا ہے۔ جس طرح کلمۂ طیبہ میں لَا اِلٰهَ کہہ کر تمام باطل معبودوں کا انکار کیا جاتا ہے اور پھر اِلَّا اللّٰه کہہ کر اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کا اقرار کیا جاتا ہے اسی طرح اس آیت میں پہلے حضور ﷺ کے نفع نقصان پہنچانے پر اَز خود قدرت واختیار کی نفی بیان ہوئی پھر ﴿اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ﴾ فرما کر یہ واضح کیا گیا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نفع

نقصان پہنچانے پر وہ قدرت ضرور رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔

یہی مفہوم تمام اکابر مفسرین کرام نے اپنی اپنی تفاسیر میں بیان کیا ہے۔

صدرُ الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ اسکی تفسیر میں لکھتے ہیں،

’’اگر میں نفع وضرر کا ذاتی اختیار رکھتا تو اے منافقین وکافرین! تم سب کو مومن کر ڈالتا اور تمہاری کفری حالت دیکھنے کی تکلیف مجھے نہ پہنچتی‘‘۔(خزائن العرفان)

علامہ نسفی اور علامہ بیضاوی رحمہما اللہ کے بقول نبی کریم ﷺ سے عبودیت وبندگی اور عاجزی وانکساری کے اظہار کے طور پر یہ کہلوایا گیا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا یہ وصف قرآن کریم ہی میں بیان ہوا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہدایت دیتے ہیں۔

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾

’’اور بیشک تم ضرور سیدھی راہ کی ہدایت دیتے ہو‘‘۔(الشوریٰ:۵۲)

﴿لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ﴾

’’تاکہ تم لوگوں کو اندھیریوں سے اُجالے میں لاؤ، اُن کے رب کے حکم سے اُس کی راہ کی طرف‘‘۔(ابراھیم:۱، کنز الایمان)

اللہ تعالیٰ کی عطا سے رسولِ معظم ﷺ کے مالک ومختار ہونے کے بارے میں مزید آیات واحادیث اِن شَاءَ اللہ الرحمٰن اگلے باب میں پیش کی جائیں گی۔

بتوں اور اُن کے پجاریوں کے متعلق نازل شدہ صرف دس آیات کی تفسیر مستند تفاسیر کی روشنی میں پیش کی گئی۔ ایسی اور بھی آیات ہیں جنہیں شر پسند لوگ معنوی تحریف کر کے مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں جو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کی نشانی بتائی ہے۔ رب تعالیٰ سب کو اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆☆

﴿...... بابِ نہم ......﴾

مالک ومختار رسول ﷺ:

اللہ تعالیٰ کی عطا سے رسول کریم ﷺ کے نفع نقصان کے مالک ومختار ہونے کے متعلق مندرجہ ذیل آیات بھی ملاحظہ فرمائیے۔

1۔﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾(الحشر:۷)

''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں، باز رہو''۔

2۔﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾

''اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے''۔(الاحزاب:۳۶)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ آقا ومولیٰ ﷺ کی اطاعت لازم ہے اور ان کے حکم کے سامنے کسی مسلمان کو خود سے کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

3۔﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾(التوبۃ:۷۴)

''اور انہیں کیا برا لگا، یہی نا کہ اللہ ورسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کردیا''۔

4۔﴿سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ﴾(التوبۃ:۵۹)

''اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول''۔(کنزالایمان)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو نعمتیں عطا فرمانے کا اختیار دیا ہے۔

5۔﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾

''لڑو اُن سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر، اور وہ حرام نہیں مانتے اُس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اُس کے رسول نے''۔(التوبۃ:۲۹)

6۔﴿يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾(الاعراف:۱۵۷)

''(نبی ﷺ) ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام فرمائے گا، اور ان پر سے بوجھ اور گلے کے پھندے اُتارے گا جو اُن پر تھے''۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حلال وحرام کا اختیار عطا فرمایا ہے۔ نیز حضور ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے لوگوں کو یہ نفع ہوا کہ ان کے بوجھ اور گلے کے طوق آپ نے اتار دیے۔

7۔﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾

''(رسول) اُن پر اُس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور اُنہیں پاک کرتے ہیں اور اُنہیں کتاب وحکمت کا علم عطا فرماتے ہیں، اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔ اور ان میں سے اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں جو ان اگلوں سے نہ ملے''۔(الجمعۃ:۲،۳، کنزالایمان)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آقا ومولیٰ ﷺ قیامت تک کے مسلمانوں کو پاک کرتے ہیں اور انہیں علم بھی عطا فرماتے ہیں۔

8۔﴿ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''اور جو خرچ کریں اُسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں، ہاں ہاں وہ اُن کے لیے باعثِ قرب ہے، اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔(التوبۃ:۹۹، کنزالایمان)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایمان والے راہِ خدا میں جو خرچ کرتے ہیں اس

کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اور آقا و مولیٰ ﷺ کی دعائیں لینا ہوتا ہے۔

ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی دعاؤں سے مومنوں کو نفع ہوتا ہے۔

9۔﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ﴾

''اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے''۔(البقرۃ:۲۵۱، کنزالایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ دیگر لوگوں کے لیے نفع کا باعث ہیں۔

انبیاء اور اولیاء کی شان تو بہت اعلیٰ ہے، ان سے نسبت والی چیزوں کی برکت سے رب تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا،

10۔﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾(البقرۃ:۲۴۸)

''اور اُن سے اُن کے نبی نے فرمایا، اُس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی، اُٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے، بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر ایمان رکھتے ہو''۔

معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے عصا، کپڑے اور نعلین کی برکت سے بنی اسرائیل کو فتح ملتی تھی۔ قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ اہلِ کتاب حبیبِ کبریا ﷺ کے وسیلے سے کافروں پر فتح پاتے تھے۔ فرمانِ الٰہی ہے،

11۔﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾(البقرۃ:۸۹)

''اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے''۔

12۔﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾

''اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب ﷺ! تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔(النساء:۶۴، کنزالایمان)

رب تعالیٰ چاہتا تو یونہی گناہ بخش دیتا مگر بارگاہِ نبوی میں حاضری کا حکم دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آقا کریم ﷺ کی ذات امتیوں کے لیے توبہ کی قبولیت کا وسیلہ ہے اور ان کی شفاعت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا، اندھوں کو آنکھیں دینا اور برص کے مریضوں کو شفا دینا، حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی برکت سے بینائی لوٹ آنا، نبی کریم ﷺ کے لعابِ دہن سے ٹوٹی ہڈی اور نکلی ہوئی آنکھ کا صحیح ہو جانا، آپ کے موئے مبارک اور جبہ مبارک سے مریضوں کا شفا پانا وغیرہ بیشمار معجزات انبیاء کرام کے نافع ہونے پر واضح دلیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ کو تمام نعمتوں کا مالک و مختار بنایا ہے۔ اسی بناء پر آپ جو چاہتے ہیں حلال و حرام فرماتے ہیں، جس کو جو نعمت چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں کسی شرعی حکم سے مستثنیٰ فرما دیتے ہیں۔ بلاشبہ نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم اور نائبِ اکبر ہیں۔ آقا و مولیٰ نورِ مجسم ﷺ کے بعض تصرفات پہلے تحریر کیے جا چکے ہیں اور بعض اختصار سے مزید پیشِ خدمت ہیں۔

☆ ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی، میں اس شرط پر مسلمان ہونا چاہتا ہوں کہ میں صرف دو نمازیں پڑھوں گا۔ حضور ﷺ نے قبول فرما لیا۔ (مسند احمد ج ۵:۲۵)

☆ ایک صحابی کو صرف فجر اور عصر کی نمازوں کی حفاظت کی تلقین فرمائی اور تین نمازیں معاف فرما دیں۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

☆ ایک وفد کا اسلام لانا اس شرط پر قبول فرمالیا کہ وہ نہ تو زکوٰۃ دیں گے اور نہ ہی جہاد کریں گے۔(ابوداؤد کتاب الخراج)

☆ ایک صحابی نے عرض کی، یارسول اللہ! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ حضور ﷺ خاموش رہے۔اس نے تین بار یہی سوال کیا۔پھر آپ نے فرمایا، **لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ۔**

اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور تم اس کی استطاعت نہ رکھتے۔
(صحیح مسلم کتاب الحج)

☆ کسی معاملہ میں دو عادل مرد گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے حضور ﷺ نے حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو کے برابر قرار دیا۔(صحیح بخاری کتاب الجہاد)

☆ قربانی کے لیے بکرا کم از کم ایک سال کا ہو۔حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے لیے سال سے کم عمر بکری کے بچہ کی قربانی جائز فرمائی۔(بخاری و مسلم کتاب الاضاحی)

☆ نوحہ کرنا حرام ہے لیکن حضور ﷺ نے حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کو ایک قبیلہ پر نوحہ کرنے کی خاص اجازت عطا فرمائی۔(صحیح مسلم کتاب الجنائز)

☆ ریشم پہننا مرد کے لیے حرام ہے مگر حضور ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو ریشمی لباس کی اجازت عطا فرمائی۔(بخاری کتاب اللباس)

☆ سونا پہننا مرد کو حرام ہے مگر آقا کریم ﷺ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو خود سونے کی انگوٹھی پہنائی گویا ان کے لیے سونا پہننا جائز فرمادیا۔(مسند احمد)

☆ حبیبِ کبریا ﷺ کا ارشاد ہے، حضرت ابراھیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں۔(بخاری، مسلم)

☆ حضور ﷺ نے مکہ کا حرم ہونا بیان فرمایا پھر ایک صحابی کی درخواست پر ''اِذْخِر'' گھاس کاٹنے کی اجازت عطا فرمادی۔(بخاری کتاب العلم)

☆ مسجد میں حالتِ جنابت میں جانا حرام ہے۔حضور ﷺ نے خود کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا۔(ترمذی مناقب علی)

☆ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوئے اس کے باوجود حضور ﷺ نے انہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔(ابوداؤد کتاب الجہاد)

☆ حضور ﷺ چاہتے تو ہر نماز کے لیے مسواک فرض قرار دے دیتے۔آپ کا ارشاد ہے، **﴿لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ﴾**

اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔(بخاری و مسلم کتاب الصلوٰۃ)

☆ حضور ﷺ چاہتے تو عشاء تہائی رات تک مؤخر فرمادیتے۔آپ کا ارشاد ہے،

﴿لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ وَّلَاَخَّرْتُ صَلٰوۃَ الْعِشَاءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ﴾

اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا اور نمازِ عشاء تہائی رات تک مؤخر کر دیتا۔(ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

☆ ایک صحابی کے پاس حق مہر ادا کرنے کی استطاعت نہیں تھی۔آپ نے قرآن مجید کی کوئی سی سورت سکھانا ان کا ''مہر'' قرار دے دیا۔(ابوداؤد، نسائی)

☆ آقا ﷺ نے مسافر کے لیے چمڑہ کے موزوں پر مسح کی مدت تین رات مقرر فرمائی۔اگر سائل مزید مانگتا تو حضور یہ مدت پانچ رات فرمادیتے۔(ابوداؤد، ابن ماجہ)

☆ قرآن مجید میں عدل کی شرط پر مرد کو چار نکاح تک کی اجازت ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرا نکاح کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے منع فرمادیا کہ جب تک فاطمہ تمہارے نکاح میں ہے تم دوسری شادی نہیں کرسکتے۔(بخاری کتاب النکاح)

☆ میراث کی تقسیم قرآن سے ثابت ہے مگر آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، جو مال ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔(بخاری کتاب الجہاد)

☆حضور ﷺ کو وصال وحیات کا اختیار تھا۔ آپ کا ارشاد ہے، ہر نبی کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں رہنا چاہتا ہے یا آخرت میں۔ (بخاری کتاب التفسیر)

☆روزہ توڑنے کا کفارہ غلام آزاد کرنا یا مسلسل ساٹھ روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے۔ ایک صحابی کو اس حکم سے رخصت عطا فرمائی اور اسے کھجوروں کا ٹوکرا عطا فرمایا کہ یہ صدقہ کر دے۔

اس نے عرض کی، میرے گھر والے اس کے زیادہ مستحق ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا، ﴿اَطْعِمْهُ اَهْلَكَ﴾ جا! یہ اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔ (بخاری کتاب الصوم)

خلاصہ یہ ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ شریعت کے مالک و مختار ہیں اور ایمان والوں کے آقا و حاکم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالک و مختار بنایا کہ شریعت میں جو حکم چاہیں اپنی طرف سے نافذ فرمائیں اور جسے جس حکم سے چاہیں خاص فرما دیں۔ جیسے سُراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا، تیری کیا شان ہو گی جب تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایران فتح ہوا تو آپ نے کسریٰ کے سونے کے کنگن حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کو پہنائے تا کہ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ پورا ہو۔ (بیہقی)

صفت ''کُنْ'' کے مظہر:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اپنی صفت ''کُنْ'' کا کامل مظہر بنایا ہے۔ ایک شخص ریگستان سے آ رہا تھا، حبیبِ کبریا ﷺ نے فرمایا، ﴿كُنْ اَبَا خَيْثَمَةَ﴾ ''ابوخیثمہ ہو جا''، تو وہ شخص ابوخیثمہ ہو گیا۔ (صحیح مسلم کتاب التوبۃ)

اس کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ:

''تو جو کوئی بھی ہے، اب حقیقت میں ابوخیثمہ ہو جا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں آقا و مولیٰ ﷺ نے ایک آدمی کے متعلق فرمایا، ''تو ابوذر ہو جا''۔ تو وہ آدمی ابوذر ہو گیا۔ (مستدرک)

ایک سفر کے دوران آقائے دو جہاں ﷺ نے رفع حاجت کے لیے آڑ لینا چاہی تو ایک درخت کی ٹہنی پکڑ کر فرمایا، اللہ کے حکم سے میری اطاعت کرو۔ وہ حضور ﷺ کے ساتھ ایسے چل دیا جیسے نکیل والے اونٹ کو اس کا مالک چلاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے دوسرے درخت سے بھی یہی فرمایا۔ پھر فرمایا، میرے لیے مل جاؤ۔ وہ مل گئے۔ جب حضور فارغ ہوئے تو دونوں درخت اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ (مسلم)

اب چند احادیث ملاحظہ فرمائیے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول معظم ﷺ کی بارگاہ کا منکر و بے ادب سخت نقصان اٹھاتا ہے اور عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ایک شخص اسلام لے آیا اور کاتبینِ وحی میں شامل ہو گیا۔ پھر مرتد ہو گیا اور کہنے لگا، حضور کو وہی علم ہے جو میں نے ان کو لکھ کر دیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ''زمین اسے قبول نہیں کرے گی''۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں اس جگہ گیا جہاں وہ مرا تھا تو میں نے دیکھا کہ وہ قبر سے باہر پڑا تھا۔ میں نے پوچھا، کیا معاملہ ہے۔ لوگوں نے کہا، ہم نے اسے کئی بار دفن کیا ہے لیکن زمین اسے قبول نہیں کرتی۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب المعجزات)

حضور ﷺ کے سامنے ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ وہ شخص تکبر کی وجہ سے کہنے لگا، مجھ میں اس کی طاقت نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، پھر ایسا کر ہی نہ سکو گے۔ راوی کہتے ہیں، پھر وہ شخص اپنا ہاتھ اپنے منہ تک اٹھانے کے قابل نہ رہا۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ باب المعجزات)

ایک شخص حضور ﷺ کی مجلس میں آ کر بیٹھتا اور آپ کو چڑانے کے لیے اپنا منہ بگاڑ لیتا۔ ایک مرتبہ اس نے ایسا ہی کیا تو احمدِ مختار سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا، كُنْ كَذٰلِكَ۔ ''تم ایسے ہی ہو جاؤ''۔ پھر اس کا منہ اسی طرح بگڑا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

(المستدرک للحاکم، دلائل النبوۃ للبیہقی، خصائص الکبریٰ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

ممکن میں یہ قدرت کہاں، واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبدِ الٰہ، اور عالمِ امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سرِّ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مخلوق ممکن الوجود ہے اور ممکن میں یہ قدرت نہیں ہوتی کہ چاند کے ٹکڑے کر دے، سورج پلٹا دے لہٰذا حضور ﷺ عام مخلوق نہیں۔ مگر وہ خدا بھی نہیں کہ کیونکہ واجب الوجود میں عبدیت نہیں ہو سکتی کہ اس کا میلاد ہو، وہ عاجزی کرے، اس کا خون بہے۔

حق یہی ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور تمام مخلوق کے بادشاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت پانے اور اُس تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔

حضور ﷺ کا ایک نام ''سید'' بھی ہے جس کے معنی سردار اور حاجت روا کے ہیں۔

رسولِ معظم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ﴿اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾

''میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں''۔ (صحیح مسلم)

قیامت کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اُس دن تمام بنی آدم پر حضور ﷺ کا سردار ہونا ظاہر ہو جائے گا وگرنہ آقا و مولیٰ ﷺ دنیا میں بھی سردار ہیں جیسا کہ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے، ﴿اَنَا سَیِّدُ الْعَالَمِیْنَ﴾ ''میں تمام جہانوں کا سردار ہوں''۔ (بیہقی)

امام قاضی عیاض مالکی اور امام نووی رحمہما اللہ فرماتے ہیں،

﴿اَلسَّیِّدُ هُوَ الَّذِیْ یَلْجَاءُ النَّاسُ اِلَیْهِ فِیْ حَوَائِجِهِمْ﴾

''سید وہ ہے کہ جس کی بارگاہ میں لوگ اپنی حاجات کے لیے التجا کریں''۔

امام زرقانی رحمہ اللہ حدیث نبوی ''اَنَا سَیِّدُ النَّاس'' کا مفہوم یوں لکھتے ہیں،

﴿اَنَا الْفَائِقُ الْمَفْزُوْعُ اِلَیْهِ فِی الشَّدَائِدِ﴾

''میں وہ فائق و برتر ہوں جس کی طرف مصیبتوں میں فریاد کی جاتی ہے''۔

رحمتِ عالم ﷺ کا ''مالک و مختار''، ''سَیِّدُ الْعَالَمِیْن'' اور ''سَیِّدُ الْکَوْنَیْن'' ہونا نہ تو شرک ہے اور نہ ہی رب تعالیٰ سے برابری۔ بلکہ ''مختارِ کل'' اللہ کا صفاتی نام نہیں جبکہ حضور کا صفاتی نام ''مختار'' ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضور ﷺ کا مالک و مختار ہونا مخلوق کے لحاظ سے ''کل'' ہے اسی لیے آپ کو مختارِ کل کہا جاتا ہے مگر آپ کا مالک و مختار ہونا اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے ''جزو'' ہے۔ پس لفظ ''کل'' اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی معنی میں ہے اور حضور ﷺ کے لیے اضافی معنی میں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ اُلوہیت کا تقاضا ہے کہ وہ دوسروں کو اقتدار، تصرف اور اختیار عطا فرمائے، اور اپنے محبوب بندوں کو وہ جس قدر چاہے، ملکیت، قدرت اور اختیار عطا فرماتا ہے۔ اُس کا فرمان ہے، ﴿اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾

''اے اللہ! مُلک کے مالک، تُو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے''۔ (اٰلِ عمران: ۲۶، کنزالایمان)

﴿فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾

''تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہونگے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں، اور پھر جو کچھ تم حکم فرما دو، اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں''۔ (النساء: ۶۵، کنزالایمان)

بلاشبہ اُس نے اپنے محبوب رسول ﷺ کو اپنا خلیفۂ اعظم، مومنوں کا حاکم اور بیشمار نعمتوں کا مالک و مختار بنایا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

☆☆☆☆

﴾......باب دہم......﴿

اصل مشرک کون؟

الحمدللہ! قرآن کریم کی آیات، احادیثِ مبارکہ اور جمہور مفسرین کی تفاسیر سے ثابت ہو چکا کہ مذکورہ آیات میں ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ سے مراد انبیاء اور اولیاء نہیں بلکہ بت اور مجسمے ہیں۔ اب ہم احادیثِ صحیحہ پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ یہ امت شرک نہیں کرتی کیونکہ غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ نے پہلے ہی یہ پیش گوئی فرمادی تھی، ہاں شرکِ اصغر کرے گی۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے منبر شریف پر فرمایا،

﴿اِنِّیْ فَرَطٌ لَّکُمْ وَاَنَا شَهِیْدٌ عَلَیْکُمْ وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِی الْاٰنَ وَاِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْهَا﴾

’’میں تمہارا پیش رَو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں۔ اور میں اللہ کی قسم! اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں یا زمین کی کنجیاں عطا فرما دی گئیں ہیں۔ اور اللہ کی قسم! بیشک مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرنے لگ جاؤ گے‘‘۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید)

اس حدیث مبارکہ میں تین باتیں بڑی اہم بیان ہوئیں:

اول: حضور ﷺ اپنی امت پر گواہ یعنی حاضر و ناظر ہیں۔ اس عقیدہ کی آپ نے مزید وضاحت بھی فرمادی کہ میں مدینہ منورہ سے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔

دوم: حضور ﷺ کو زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں عطا فرمادی گئی ہیں یعنی آپ کو رب تعالیٰ نے آپ کو اپنی نعمتوں کا قاسم اور مالک ومختار بنایا ہے۔

سوم: حضور ﷺ کی امت شرک نہیں کرے گی البتہ یہ دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جائے گی۔ رسولِ معظم ﷺ کی فرمائی ہوئی دیگر پیشین گوئیوں کی طرح یہ غیبی خبر بھی پوری ہوئی اور مسلمان دنیاوی اسباب و مال کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔

آقا و مولیٰ ﷺ نے اپنا حاضر و ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ بیان فرمایا نیز آپ ﷺ کو اپنی امت پر شرک کا اندیشہ نہیں تھا اور یہ بات بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ ارشاد فرمائی تاکہ بعد میں آنے والے فتنہ پرور لوگ اس میں شک پیدا نہ کرسکیں۔ عام مسلمان کے لیے جھوٹ بولنا جائز نہیں چہ جائیکہ اللہ کے نبی کی طرف ایسا برا گمان کیا جائے پھر اس پر حضور ﷺ کا قسم ارشاد فرمانا، گویا اب ان حقائق کا انکار رسولِ معظم ﷺ کی نبوت ورسالت ہی کے انکار کے مترادف ہے۔

نبی کریم ﷺ کو تو کفار ومشرکین بھی صادق اور امین کہا کرتے تھے۔ پھر کس قدر بدنصیب ہیں وہ جو اپنے نبی کا کلمہ پڑھنے کے باوجود ان کی قسم پر بھی اعتبار نہ کریں، نہ انہیں حاضر و ناظر جانیں اور نہ ہی امت کو شرک سے محفوظ سمجھیں۔

تعجب ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ تو اللہ کی قسم کے ساتھ اعلان فرما رہے ہیں کہ مجھے اپنی امت پر شرک کا خوف نہیں اور امتی یہ کہہ رہے ہیں کہ ساری امت نبی کو حاضر و ناظر جان کر اور انبیاء واولیاء سے توسل کر کے قطعی طور پر مشرک ہو چکی ہے۔ اب آپ بتائیے نبی ﷺ کی مانیں گے یا گمراہ اُمتی کی؟؟؟

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی امت پر کن باتوں کا خوف تھا؟

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب بتانے والے آقا کریم ﷺ نے فرمایا، مجھے تم پر جن کاموں کا زیادہ خوف ہے، ان میں سب سے خطرناک چیز شرکِ اصغر ہے۔ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! شرکِ اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، ریا کاری۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ (الاعراف:۱۷۵)

''اور اے محبوب! انہیں اُس کا احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا، تو شیطان اُس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہوگیا''۔

اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے درج ذیل حدیث بیان کی ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا،

''بیشک مجھے تم پر ایسے شخص کا خوف ہے جو قرآن پڑھے گا۔ جب اس پر قرآن کی رونق آنے لگے گی اور اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا ہوگا تو اس سے قرآن کے اثرات جدا ہوجائیں گے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر وہ اسلام سے نکل جائے گا اور دین کو پسِ پشت ڈال دے گا''۔ پھر فرمایا،

﴿وَسَعٰى عَلٰى جَارِهٖ بِالسَّيْفِ وَرَمَاهُ بِالشِّرْكِ﴾ وہ اپنے پڑوسیوں پر تلوار سے حملہ کرے گا یعنی انہیں قتل کرے گا اور ان پر شرک کا الزام لگائے گا۔

راوی نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! ان میں اصل مشرک کون ہوگا، شرک کی تہمت لگانے والا یا وہ جس پر شرک کی تہمت لگائی گئی؟

غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا، ﴿بَلِ الرَّامِيْ﴾ بلکہ شرک کی تہمت لگانے والا ہی اصل میں خود مشرک ہوگا۔ (صحیح ابن حبان، مسند ابویعلی، تاریخ کبیر امام بخاری)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے روایت کرکے فرمایا، اس حدیث کی اسناد بہت عمدہ اور کھری ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر زیرِ آیت الاعراف:۱۷۵)

ایک حدیث میں خوارج کی یہ نشانی بھی بیان ہوئی کہ ''وہ قرآن کی طرف بلائیں گے مگر اُن کا قرآن سے کچھ تعلق نہ ہوگا''۔ (ابوداؤد کتاب السنۃ)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں جو لوگ خوارج کی پیروی میں عام

مسلمانوں کو مشرک قرار دیتے ہیں، وہ خود کس طرح مشرک ہوسکتے ہیں؟ اگر قرآن و حدیث میں غور کیا جائے تو یہ سمجھنا ہرگز مشکل نہ ہوگا کہ یہ لوگ جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہو ہی نہیں سکتیں مثلاً میلاد منانا، عرس کرنا، فوت شدہ سے مدد مانگنا، دُور سے سننا، عطائی قدرت واختیار ماننا، عطائی علمِ غیب ماننا وغیرہ، یہ ان اُمور کو شرک کہتے ہیں۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کے لیے (معاذ اللہ) پیدائش، وفات، مجازی استعانت، دُور ہونا، کسی کی عطا کردہ قدرت واختیار اور عطائی علمِ غیب ثابت کرتے ہیں جو یقیناً شرک ہے۔

بقول علماء، جیسے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ بندوں کے لیے ثابت کرنا شرک ہے اسی طرح بندوں کی صفاتِ خاصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا بھی ویسا ہی شرک ہے۔

الحمدللہ! مسلمان کسی نبی یا ولی کو اللہ تعالیٰ کا شریک یا اس کے برابر نہیں سمجھتے بلکہ انہیں اللہ کا بندہ، اس کا محتاج اور اسی کی عطا کردہ حیات، علم اور قدرت سے مددگار سمجھ کر ان سے مجازی استعانت کرتے ہیں اور ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دعا کرتے ہیں۔ یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ محبوبانِ خدا کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی سماعت وبصارت اور قدرت وتصرف عطا فرمایا ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

جواباً عرض ہے کہ اولیاء کرام اور صالحین جب اللہ تعالیٰ کا قرب پالیتے ہیں تو رب کریم ان کی شان بلند فرمادیتا ہے جیسا کہ اس حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے۔

محبوبانِ خدا کی شان:

غیب بتانے والے آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا،

﴿اِنَّ اللّٰهَ قَالَ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِيْ لَاُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَاُعِيْذَنَّهٗ﴾

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جو کوئی میرے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اُس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ اور میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں مجھے فرائض زیادہ پیارے ہیں۔ پھر میرا بندہ نوافل کے ذریعے ہمیشہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاںتک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔ جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کے ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کے پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ پھر اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اسے دیتا ہوں اور اگر وہ پناہ مانگے تو میں اس کو پناہ دیتا ہوں۔

(بخاری کتاب الرقاق)

امام رازی رحمہ اللہ، تفسیر کبیر میں اس حدیثِ قدسی کی شرح میں لکھتے ہیں،

فَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰہِ سَمْعًا لَّہٗ سَمِعَ الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِکَ النُّوْرُ بَصَرًا لَّہٗ رَاَی الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِکَ النُّوْرُ یَدًا لَّہٗ قَدَرَ عَلَی التَّصَرُّفِ فِی الصَّعْبِ وَالسَّھْلِ وَالْبَعِیْدِ وَالْقَرِیْبِ۔

جب اللہ کا نورِ جلال اُس محبوب بندے کے کان بن جاتا ہے تو وہ بندہ دُور و نزدیک کی آوازیں یکساں سنتا ہے، اور جب اللہ کا نورِ جلال اُس محبوب بندے کی آنکھیں بن جاتا ہے تو وہ بندہ دور و نزدیک کی چیزیں یکساں دیکھتا ہے، اور جب اللہ کا نورِ جلال اُس محبوب بندے کے ہاتھ بن جاتا ہے تو وہ بندہ مشکل و آسان، اور دُور و نزدیک کی چیزوں میں یکساں تصرف کرتا ہے۔ (سورۃ الکہف، زیرِ آیت ۹)

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت سے خلافِ عادت اُمور صادر کرنا تصرف ہے۔ بعض لوگ اس بات میں شبہ کرتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء، خدا کی دی ہوئی قوت سے مَا فوقُ الاسباب طریقے پر کائنات میں تصرف کر سکتے ہیں یا

نہیں؟ اس کے جواب میں امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

رسولِ معظم ﷺ نے اس کے جواز کو ظاہر کرنے کے لیے غزوۂ تبوک میں صحابہ کے سامنے لفظ ''کُنْ'' کے ساتھ تصرف کیا کیونکہ حضور ﷺ کو معجزات ظاہر کرنے میں اذن حاصل تھا۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا، ''کُنْ اَبَا ذَر'' تو حضرت ابوذر ہوگئے۔ اسی طرح کھجور کی شاخ کو فرمایا، ''کُنْ سَیْفاً'' تو وہ شاخ تلوار بن گئی۔

(الیواقیت والجواہر ج۱:۱۴۷)

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ حضرت آصف بن برخیا کے ایک لمحہ میں تختِ بلقیس لانے کے حوالے سے اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں،

حضرت آصف نے اُس تخت میں تصرف کیا اور اُس کو اسکی جگہ سے غائب کردیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے موجود کردیا۔.......... اور یہ سب کچھ ایک آن میں ہوگیا۔ اُس وقت حضرت آصف کا کہنا بعینہٖ اُن کا فعل تھا کیونکہ کامل ولی کا قول اللہ تعالیٰ کے ''کُنْ'' کے درجہ میں ہوتا ہے۔ (روح المعانی پ۱۹:۲۰۵)

تھانوی صاحب نے بھی ''کُنْ فَیَکُوْن'' مقام پر فائز اولیاء یعنی تکوین کے مرتبے میں تصرف کرنے والے اولیاء کرام کا ذکر یوں کیا ہے،

قطبُ التکوین کو اپنی قطبیت کا علم ضروری ہے مگر قطب الاقطاب کو ضروری نہیں۔ ابدال وغیرہ بھی تکوینیات سے متعلق ہیں۔ قطب الارشاد میں تعدد ضروری نہیں، قطبُ التکوین متعدد ہوتے ہیں مگر قطب الاقطاب تمام عالم میں ایک ہوتا ہے، اس کا نام غوث ہے۔ اہلِ کشف ان کو پہچانتے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ج۱:۳۰۹)

بارش کا ہونا یا نہ ہونا تکوینی اُمور میں سے ہے۔ بعض لوگ بارش برسانے کا اختیار اللہ تعالیٰ کی عطا سے نبی کے لیے بھی تسلیم نہیں کرتے۔ جبکہ تھانوی صاحب ایک ولی کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ بارش کو بیچا کرتے تھے۔ لکھا ہے،

بیان کیا جاتا ہے کہ بارش ایک بزرگ کے پیچھے پیچھے چلا کرتی تھی۔ متاخرین میں ایک بزرگ شیخ ابوالعباس شاطر ہوئے ہیں وہ بارش کو کچھ درہموں کے بدلے فروخت کیا کرتے تھے، اور ان سے اس باب میں اس قدر روایات ہیں کہ عقل کو انکار کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ (جمال الاولیاء:۲۴)

اسی کتاب میں ایک بزرگ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اپنی لاٹھی کو فرماتے کہ ایک بہادر انسان کی صورت میں ہوجا، تو وہ فوراً اس صورت میں ہوجاتی اور آپ اس کو اپنے کاموں میں بھیج دیتے تھے اور پھر وہ لاٹھی کی لاٹھی بن جاتی۔ (ایضاً:۲۰۳)

خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء کرام جب قربِ الٰہی پا کر اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جاتے ہیں تو پھر کائنات اُن کے تابعِ فرمان ہوجاتی ہے۔ بقول انور شاہ کشمیری، قرب حاصل کرنے والے کا صرف جسم اور ظاہری ڈھانچہ باقی ہوتا ہے اور اس میں متصرف اور کارساز صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ (فیض الباری ج۴: ۴۲۸)

مزار پر دعا کا طریقہ:

امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

جب کوئی کسی ولی کے مزار پر جائے تو مزار شریف پر پاؤں کی طرف سے حاضر ہو اور چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو کر باادب سلام عرض کرے۔ السلام علیکَ یاسیدِی ورحمۃُ اللہ وَبرکاتہٗ۔ پھر تین بار درود شریف، ایک بار سورۃ فاتحہ، ایک بار آیۃ الکرسی، سات بار سورۃ اخلاص اور پھر تین بار درود شریف پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے،

''یا اللہ! اس تلاوت پر اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے لائق ہے نہ کہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے۔ اور اسے میری طرف سے اس مقبول بندے اور تمام مسلمانوں کو پہنچا''۔ پھر اپنی جو جائز شرعی حاجت ہو اسکے لیے صاحبِ مزار کے وسیلے سے دعا کرے۔ پھر اسی طرح سلام کرکے واپس آئے۔ (فتاوی رضویہ ج۴: ۲۱۲)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اولیاء سے مدد مانگنے کے متعلق فرماتے ہیں،

''مدد مانگنے کی یہی صورت ہے کہ حاجت مند اپنی حاجت کو اللہ تعالیٰ سے اس نیک بندے کی روحانیت کے وسیلے سے طلب کرے جو بارگاہِ الٰہی میں مقرب ومکرم ہے۔ اور یوں کہے، ''اے اللہ! اِس بندے کی برکت سے جس پر تو نے انعام واکرام فرمایا ہے، میری حاجت پوری فرما''۔ یا اُس مقرب بندے کو پکارے کہ ''اے اللہ کے ولی! اے خدا کے مقرب بندے! میرے لیے شفاعت کیجئے اور اللہ تعالی سے دعا کیجئے کہ وہ میرے مقصد کو پورا فرمائے''۔

ان دونوں صورتوں میں وہ نیک ومقرب بندہ صرف درمیان میں وسیلہ ہے۔ حقیقی قدرت والا اور دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس میں شرک کا شائبہ بھی نہیں ہے جیسا کہ منکر نے وہم کیا ہے۔ یہ اسی طرح توسل کرنا ہے جیسے نیک لوگوں اور اولیاءاللہ کو زندگی میں وسیلہ بنایا جاتا ہے اور یہ بالاتفاق جائز ہے تو وفات کے بعد یہی بات ناجائز کیوں ہوگئی؟ اولیائے کاملین کی ارواح میں، ظاہری زندگی اور وصال کے بعد صرف اتنا فرق ہے کہ وصال کے بعد انکی ارواح کو اور زیادہ کمال حاصل ہوجاتا ہے''۔ (فتاوی عزیزیہ ج۲ ص۱۰۲)

حرفِ آخر:

ان دلائل وبراہین سے ثابت ہوگیا کہ ہر دور میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے توسل واستمداد پر امتِ مسلمہ کا اجماع رہا ہے۔ ان عقائد کو جلیل القدر ائمہ دین، مفسرین، محدثین اور فقہاء کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے اپنی اپنی کتب وفتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے۔ آخر میں امام المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۰۵۲ھ) کی تحریر ملاحظہ فرمائیں۔ شاید کہ ترے دل میں اتر جائے یہی بات!

آپ فرماتے ہیں، ''آخر مانگنے والے استمداد سے کون سا ایسا معنی مراد لیتے ہیں

کہ یہ فرقہ اس کا منکر ہے؟ ہمارے نزدیک تو یہی ہے کہ دعا مانگنے والا مقرب بندے کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے یا اُس مقرب بندے کو پکارتا ہے کہ اے اللہ کے بندے! اے اللہ کے ولی! میرے لیے شفاعت کیجیے اور اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ میری مراد پوری ہو اور مجھے میرا مطلوب مل جائے۔

اگر یہ معنی شرک ہے جیسا کہ منکر گمان کرتا ہے تو چاہیے تھا کہ زندگی میں بھی صالحین سے توسل اور دعا مانگنا منع ہوتا جبکہ یہ بالاتفاق مستحب اور دین میں رائج ہے۔......

......ارواحِ کاملین سے مدد مانگنے اور استفادہ کرنے کے بارے میں اہلِ کشف سے جو واقعات مروی ہیں وہ گنتی سے باہر ہیں، انکے رسائل اور کتابوں میں مذکور اور انکے درمیان مشہور ہیں۔ یہاں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں اور شاید متعصب منکر کے لیے ان کے کلمات مفید بھی نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بدعقیدگی سے محفوظ رکھے''۔

پھر مزید دلائل دے کر فرماتے ہیں،

''ہم نے اس موضوع پر طویل کلام کیا منکروں کی ناک خاک آلود کرنے کے لیے کیونکہ ہمارے زمانے میں چند لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کے منکر ہیں۔ وہ اولیاء اللہ کی بارگاہ میں توجہ کرنے والوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتے ہیں اور جو منہ میں آئے، بول دیتے ہیں''۔

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، جلد۳ ص ۴۰۱، ملخصاً)

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

''اے اللہ! ہمیں حق کا حق ہونا دکھا دے اور اسکی اتباع کرنے کی توفیق دے
اور ہمیں باطل کا باطل ہونا دکھا دے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما''

آمین یا رب العالمین بحرمة سید المرسلین علیه وعلیٰ اٰلہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم.

☆☆☆☆